اسلامی اسلوبِ دعوت

پروفیسر حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور-کراچی • پاکستان

Marfat.com

اسلامی اسلوبِ دعوت

پروفیسر حبیب اللہ چشتی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	اسلامی اسلوب دعوت
مصنف	پروفیسر حبیب اللہ چشتی
	فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف
اشاعت	مارچ 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z409
قیمت	-/75 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-221201-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- zquran@brain.net.pk

فہرست

سوئے منزل	9
اسلامی تصور دعوت کیا ہے؟	11
اسلامی تصور دعوت وارشاد	13
قرآنی اصول دعوت وارشاد	20
حکمت	22
موعظہ حسنہ	23
جدال احسن	24
عملی تبلیغ	26
استغناء	28
عفوودرگزر	29
احسان وتقویٰ	32
دعوت اور اسوہ انبیاء علیہم السلام	33
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب دعوت	33
آزر کا جواب اور دعوت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور پہلو	37
داعی کیلئے مژدہ جانفزا	40
دعوت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نمونہ	41
حضرت یوسف علیہ السلام کا انداز دعوت	45
نفسیات انسانی کا خیال	48
عملی دعوت	48
اطمینان مدعو	49
جنون دعوت	50
نعمت الٰہی کی یاددہانی	51
عقل ودانش سے اپیل	52
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسلوب دعوت	53
دعوت میں نرمی کیجئے	54
مدعو کو اشتعال نہ آنے دیجئے	55
تنقید کار دعوت میں رکاوٹ نہ بنے	56
اپنوں کا حوصلہ شکن رویہ اور داعی	57
داعی اعظم ﷺ کا اسلوب دعوت	59
کردار سے دعوت	60
اخلاق سے دعوت	61

Marfat.com

دلیل سے دعوت 63
دعوت اور شدت احساس 64
مدعو کے جذبات کی پاسداری 66
ہمہ جہتی دعوت 68
صوفیاء کا اسلوب دعوت 71
حسن کردار 86
ہمہ جہتی دعوت 79
صوفیاء کے اسلوب دعوت کے کچھ اور زریں اصول 86
دعوتی نقطہ نظر سے اسلام کے چند احسن پہلو 88
نومسلموں کے تاثرات اور دعوت کی دلکش راہیں 88
عصر حاضر کی دعوتی سرگرمیوں کا ایک جائزہ 106
جزوی دعوت 107
مسلکی دعوت 109
پیشہ ورانہ دعوت 111
دعوت ایک فن 112
پیران عظام کا دعوتی کردار 115
مشکلات دعوت 117
معاشرتی رکاوٹیں 117
دین کا سطحی علم اور ایک مخصوص منہج فکر 119
دعوت حکومتی سرپرستی سے محروم 119
داعیان حق کی غربت اور اس کے نفسیاتی اثرات 121
عقائد میں بگاڑ اور لوگوں کی سہل پسندی 123
فرقہ پرستی پھیلنے کے روشن امکانات 124
بعض علماء کا قابل نفرت رویہ 124
تعلیمات تصوف سے دوری 125
امکانات دعوت 126
فطرت کی پکار 128
اسلام دین فطرت 129
سائنسی شواہد اور امکان دعوت 130
ذرائع نشر و اشاعت اور دعوت 133
مواقع دعوت کا شعور 134
واقعات دعوت 136
حکمت دعوت 146
حسن خلق کا مظاہرہ 146
مدعو کے نظریات کا احترام 149
مدعو کے مقام و مرتبہ کا لحاظ 150

مدعو کو اکتاہٹ سے بچانا	151
جذبہ محبت کو ابھارنا	152
دعوت میں بصیرت کا لحاظ	153
آداب دعوت	153
حسن نیت	157
دعوت صرف دین کی	160
دعوت ایک عمل پیہم	161
مشکلات کو برداشت کرنا	161
مداہنت سے پرہیز	164
دعوت اور قوت عمل	166
دعوت تنظیمی شکل میں	167

Marfat.com

انتساب

حضور ضیاء الامت

مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے نام!

جن کی دنوں کی ساری کاوشوں

اور راتوں کی جملہ رقت انگیزیوں

کا مقصود و مدعا

صرف اور صرف

"دعوت الی اللہ"

ہی تھا

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خذف کو کرے نگیں

محمد حبیب اللہ چشتی

Marfat.com

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبال)

Marfat.com

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشہ مئے کو تعلق نہیں پیمانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے

(اقبال)

سوئے منزل

اللہ تعالیٰ کو انسان کی ہدایت مطلوب ہے نہ کہ گمراہی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ہدایت کا سامان ہر پہلو سے مکمل کر دیا ہے۔ انسان کی فطرت میں اپنی محبت کے چراغ روشن فرمائے۔ اسے بدی سے روکنے والا ضمیر عطا فرمایا۔ اسے اپنی ذات واحد کی طرف رہنمائی کرنے والی عقل سلیم عطا فرمائی۔ جو ہدایت کی راہوں پر گامزن کرنے کا اتنا بڑا ذریعہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا مشہور فرمان ہے:۔

"کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو نہ بھی معبوث فرماتا پھر بھی اہل عقل پر لازم ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا معرفت حاصل کریں۔

ہم اہل عقل و بصیرت کی رہبری کے لیے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھے

انسانیت کی رشد و ہدایت کے اتنے سامان کرنے کے باوجود اس رحیم و کریم ذات نے ہدایت کے انہیں میناروں پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ہدایت کو اتمام پر پہنچانے کے لیے اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا تا کہ ہدایت کا کوئی بھی زاویہ انسان کے لیے غیر واضح اور مبہم نہ رہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے ہدایت کا یہ سلسلہ نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔ انہوں نے انسانی فطرت میں چھپی ہوئی محبت الٰہی کی آگ کو تیز تر کیا۔ انسانی ضمیر کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کیا اور عقل کو وحی الٰہی کے نور سے دانش برہانی سے دانش نورانی کی حسین منزل پر پہنچایا۔

یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب انسانی شعور اپنی آخری حدود کو چھونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کی شانیں عطا فرما کر اس معمورہ عالم میں مبعوث فرما دیا۔

سوال یہ ہے کہ جب پہلے گمراہی پھیلنے پر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کو مبعوث فرما دیتا

Marfat.com

جواس گمراہی کو نورِ ہدایت میں تبدیل کر دیتے تھے۔ تو حضور سید عالم ﷺ کی بعثت کے بعد کیا گمراہی پھیلنے کے اسباب بند ہو گئے تھے۔ یا انسانی شعور اتنا پختہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف اپنے بل بوتے پر ہی ہدایت پا سکتا تھا اور وہ انبیاء و رسل سے مستغنی ہو گیا تھا۔ آخر سلسلہ نبوت کو ختم کیوں کر دیا گیا؟ اور انسانی ہدایت کا سامان کس صورت میں کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان اور اس کے معاونین ہر دور میں نئے نئے طریقے سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ اور اب بھی پھیلا رہے ہیں۔ بقول اقبال

بدل کر بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں

اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

اس کے باوجود سلسلہ رسالت کو ختم اس لیے کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو جو کتاب ہدایت عطا فرمائی گئی۔ اس میں ہر خشک وتر اور چھوٹی بڑی چیز کا بیان ہے قیامت تک گمراہی جس بھی روپ میں ظاہر ہو گی اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں اسے بند کرنے کا مکمل سامان کر دیا ہے۔ یعنی قرآن مجید ہر پہلو اور ہر زاویہ سے ایک مکمل کتاب ہدایت ہے اور پھر اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود باری تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم میں لی ہے۔

ہدایت کے دو ہی ذریعے ہوتے ہیں ایک کتاب اور دوسرا رجال جب کتاب کے پہلو سے ہدایت مکمل ہو گئی تو رجال حضور سید عالم ﷺ سے پہلے انبیاء کرام تھے اور حضور ﷺ کے بعد دعوت کی یہ ذمہ داری امت محمدیہ کے کاندھوں پر ڈال دی گئی۔ دعوت و ارشاد اور اصلاح و تزکیہ کا جو فریضہ پہلے انبیاء کرام سرانجام دیتے تھے وہ فریضہ ہر اس انسان کے ذمہ لگا دیا گیا جو حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے والا اور آپ ﷺ کا امتی ہونے کا دعویدار ہے حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بلغوا عنی ولو آیۃ۔ جس کے پاس ایک آیت کا علم بھی ہے وہ دوسروں تک پہنچا دے۔ یعنی میری امت کا ہر ہر فرد مبلغ اور داعی بن کے اٹھے اور اللہ کا پیغام اس بندے تک پہنچائے جس تک نہیں پہنچا۔

Marfat.com

لیکن الاماشاءاللہ امت کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنی اس ذمہ داری سے غافل ہو گیا جب علماء اپنی تمام تر صلاحیتیں مسلکی اختلافات میں ہی صرف کریں گے تو عوام میں اس ذمہ داری کا شعور کیسے اجاگر ہوگا۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

آئندہ صفحات اسی شعور کو اجاگر کرنے کی ایک ادھوری سی کوشش ہے۔ کاش ملت اسلامیہ اپنی اس ذمہ داری کو سمجھے کہ ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اسلامی تصور دعوت کیا ہے؟

☆ قرآن حکیم دعوت کے کون سے سنہری اصول دیتا ہے؟
☆ انبیاء کرام اور صوفیاء عظام کا طریق دعوت کیا تھا؟
☆ راہ دعوت کے روشن امکانات کیا ہیں؟
☆ ایک داعی کو کن کن مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے؟
☆ عصر حاضر کی دعوتی سرگرمیاں کیسے بہتر ہو سکتی ہیں؟
☆ داعی کو کن حکمتوں اور آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے؟

آئندہ صفحات میں انہیں سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں جو حق اور صواب ہے وہ اللہ رب العزت کا کرم اور حضور ﷺ کی نظر رحمت کا صدقہ ہے اور جو خطا ہے تو وہ میری سوء فہم کا نتیجہ ہے۔

میں اہل علم و دانش کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ مجھے میری کوتاہیوں سے مطلع فرمائیں تا کہ انہیں دور کر کے اس کاوش کو خلق خدا کے لیے فائدہ مند بنانے کی مزید کوشش کی جا سکے۔

میں ضیاء القرآن کے جملہ ارکان بالخصوص ادارہ کے منیجر عزت مآب حفیظ البرکات شاہ

Marfat.com

صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری اس حقیری کاوش کو دیدہ زیب طریقہ سے شائع کرنے کا اہتمام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت دین کی جملہ کوششیں اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ اور ادارہ کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ امین

میں شکر گزار ہوں عصر حاضر کے عظیم دانشور اور سکالر عزت مآب جناب عبدالرحمٰن بخاری صاحب کا جنہوں نے میری خواہش پر ایک فکری مقدمہ تحریر فرما کر کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ فرمایا۔

اللہ رب العزت ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اور انہیں دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند فرمائے۔ اور انکی جملہ کاوشوں کو اپنی بارگاہ ناز میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ میری اس حقیری کوشش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے۔ اسے میرے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ میرے جملہ اساتذہ کرام، والدین اور اعزاء واقرباء کو اپنے کرم کی چادر میں ڈھانپ لے اور ہم سب کے ساتھ اپنے کرم کا معاملہ فرمائے۔ (آمین)

روز قیامت میں جس دم یارب میں حاضر خدمت ہوں
جابندے تجھ کو بخش دیا اس طرح تو مجھ کو فرمادے

اس کی رحمتوں کا طلبگار

محمد حبیب اللہ چشتی

ایف۔جی کالج H-8 اسلام آباد

خطیب ڈی۔سی۔سی

Marfat.com

اسلامی تصور دعوت وارشاد

جب بھی قافلہ انسانیت راہِ حق سے بھٹکا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے انسانیت پر صراط مستقیم کو بالکل واضح کر کے انہیں گمراہوں کی شب دیجور سے نکال کر ان پر ہدایت کا روز روشن عیاں کر دیا۔ دنیا میں کوئی قوم یا گروہ ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے حجت تمام نہ کر دی ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ (فاطر: ٢٤)

"بے شک ہم نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اور کوئی جماعت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو"۔

انبیاء ورسل علیہم السلام لوگوں کو راہ راست کی روشن شاہراہوں پر گامزن کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انسانی شعور اپنے نقطہ ارتقاء کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین ﷺ کو مبعوث فرما کر سلسلہ رسالت کو اختتام تک پہنچا دیا اور قصر نبوت اپنی آخری اینٹ کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا دائرہ رسالت تمام کائنات پر اور قیامت تک محیط ہے اور آپکے دین کو محفوظ کرنے کا ذمہ بھی خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور دین ہر پہلو سے مکمل ہو گیا۔ تو کسی نئے نبی کی آمد کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ اسی لیے سلسلہ نبوت کو حضور ﷺ کی ذات اقدس پر ختم کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے وصال کے وقت بھی دین کوئی پوری دنیا میں تو نہیں پہنچ گیا تھا اور آج تک دنیا کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جہاں دعوت اسلام نہیں پہنچی تو

Marfat.com

آخر حضور سید عالم ﷺ کی ذات گرامی پر سلسلہ نبوت ختم کیوں کر دیا گیا۔ تو اس کا ایک ہی جواب ہے کہ امت محمدیہ ختم نبوت کے بعد کار نبوت کی امین ہے۔ دعوت وارشاد کا جو کام انبیاء کرام علیہم السلام بجالاتے تھے وہ اس امت نے سرانجام دینا ہے۔

رسول ذات باری کا گواہ اور اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور امت محمدیہ علی صاحبها التحية والثنا کے متعلق بھی ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ (بقرہ:143)

''اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنادیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ''۔

جیسے حضور ﷺ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں ایسے ہی یہ امت دوسری امتوں اور حضور ﷺ کے درمیان واسطہ ہے علامہ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں ابن زید کا یہ قول بھی لکھا ہے۔ (تفسیر طبری، جلد 2، صفحہ 6)

هم وسط بين النبي ﷺ وبين الامم

''امت محمدی نبی کریم ﷺ اور دوسری قوموں کے درمیان واسطہ ہے''۔

چونکہ یہ امت ہی کار نبوت کی امین ہے اسی لیے یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے ارشا ہوتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:110)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔ نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو''۔

دعوت و تبلیغ صرف اسلام کا ہی خاصہ ہے۔ کیونکہ پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تو ظاہر ہے اپنی قوم یا قبیلے کے علاوہ وہ کسی کو تبلیغ کیسے کر سکتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں:

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ

Marfat.com

اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا'' (متی 7-6-10)

جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک کنعانی عورت نے اپنی بیٹی کے لیے برکت کی دعا چاہی تو آپ نے فرمایا:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں۔ (ایضاً 24-15)

اور بعض لوگ دوسروں کو اتنا حقیر اور کمتر سمجھتے ہیں کہ جو حق ان کے پاس ہے وہ اسے دوسروں کو بتانا اس حق کی توہین خیال کرتے ہیں چونکہ ان کے نزدیک ہدایت ایک پیدائشی چیز ہے نہ کہ کسی۔ جیسے برہمن کو جو ہدایت ملی ہے اسے شودر نہیں پا سکتا۔

اس کے برعکس ایک تو اسلام کسی مخصوص قوم یا قبیلہ کے لیے نہیں آیا بلکہ پوری کائنات کے لیے آیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ (الفرقان:1)

"وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے بندے پر نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو"۔

اور حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ میں پوری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اور اسلام مساوات انسانی کا علمبردار ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ وہ کسی قبیلے کا ہو کسی رنگ اور نسل کا ہو جو بھی دین اسلام کو قبول کرلے گا عظمتیں اور رفعتیں پالے گا۔

رنگ و نسل کے تمام بت پاش پاش کر کے وحدت نسل انسانی کا اعلان یوں کرتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾ (الحجرات:13)

Marfat.com

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو بے شک اللہ خوب جاننے والا اچھی طرح خبردار ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت ہر اس فرد تک پہنچنی چاہیے جو زندہ ہو ارشاد ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا

(یٰسین:69-70)

''یہ تو صرف نصیحت اور روشن قرآن ہے تاکہ وہ اسے ڈرائیں جو زندہ ہو''۔

اسلامی نقطہ نظر سے اسلام کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا کسی مخصوص گروہ کی ذمہ داری نہیں بلکہ امت کا ہر فرد حسب استطاعت اس کا ذمہ دار ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور سید عالم ﷺ نے اسلامی تعلیمات کا نچوڑ پیش کر کے فرمایا۔ فلیبلغ الشاھد الغائب کہ جو یہاں موجود ہے وہ میرا پیغام ہر اس فرد کو پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے یعنی امت کا ہر فرد مبلغ بن جائے۔

چونکہ اسلام کی دعوت ہر انسان تک پہنچانا امت محمدیہ علی صاحبھا التحیۃ و الثناء کی ذمہ داری ہے اس لیے قرآن وسنت میں بڑی شدت سے اسکی تاکید کی گئی اور اس فریضہ کے ترک پر اللہ تعالیٰ کے عذاب شدید کی وعیدیں سنائی گئیں متعدد مقامات پر معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا امت محمدیہ کا خاصہ بتایا گیا معروف کا اطلاق اگرچہ ہر نیکی پر اور منکر کا اطلاق ہر برائی پر ہوتا ہے لیکن اس کائنات میں اسلام سے بڑا معروف اور کفر سے بڑا منکر کوئی نہیں ہے اور اس امت کی وجہ فضیلت ہی یہ بتائی گئی کہ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔

ایک مقام پر مومن اور منافق کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

Marfat.com

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ...... (التوبہ:67)

"منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں منکر کا حکم دیتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں"۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (توبہ:71)

"اور مسلمان مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں"

بنی اسرائیل پر لعنت بھیجنے کا سبب ہی یہ بتایا گیا کہ وہ برائی سے روکتے نہیں تھے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

(المائدہ:79)

"وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکتے تھے جو وہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت ہی برے کام کرتے تھے"۔

چونکہ نظریہ کی صداقت کا یقین اسے دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام جو سراپا خیر ہی خیر اور حسن ہی حسن ہے اس پر یقین رکھنے والا اس خیر کو آگے نہ پہنچائے۔ اسلام میں دعوت وارشاد کی جو اہمیت ہے اس حدیث پاک سے اندازہ لگائیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذالک اضعف الایمان رواه المسلم (رواہ مسلم ریاض الصالحین احدیث نمبر 184)

"جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ ہاتھ سے اسے روکے اگر اسکی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے اور اگر اسکی بھی طاقت نہ رکھے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

ایک اور حدیث پاک میں ایسا ہی مفہوم بیان فرما کے فرمایا۔

ولیس وراء ذالک من الایمان حبة خردل

(ریاض الصالحین رقم الحدیث 185)

''اور اس سے کم ایمان کی ایک رتی بھی نہیں ہے''۔

یہ حدیث پاک بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یاایها الناس مروا بالمعروف وانهوا عن المنکر قبل ان تدعوا الله فلا یستجیب لکم وقبل ان تستغفروه فلا یغفر لکم ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر لا یدفع رزقا ولا یقرب اجلا الخ (الترغیب والترہیب: رقم الحدیث 3418)

''اے لوگو! نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اس سے قبل کہ تم دعائیں مانگو اور اللہ تمہاری دعائیں قبول نہ کرے اور تم اللہ سے مغفرت کا سوال کرو اور وہ تمہاری مغفرت نہ کرے بے شک اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا نہ رزق کم کرتا ہے اور نہ ہی موت کو قریب کرتا ہے''۔

دعوت وارشاد کی اس قدر تاکید فرمانے کا شاید ایک سبب یہ بھی ہو کہ برائی ایک متعدی چیز ہے اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور جب عذاب الٰہی کا کوڑا برستا ہے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہتا برے اس لیے کہ وہ مجرم تھے اور نیک اس لیے کہ وہ انہیں برائی سے روکتے نہیں تھے۔

برائی پورے معاشرہ کو جیسے اپنی لپیٹ میں لیتی ہے نبی کریم ﷺ نے اسے ایک خوبصورت تمثیل میں یوں بیان فرمایا حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''نیک اور برے کی مثال اس قوم کی طرح ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئی۔

Marfat.com

بعض اوپر والی منزل پر اور بعض نیچے والی منزل پر ٹھہرے۔ نیچے والوں کو پانی لینے کے لیے اوپر جانا پڑتا تھا انہوں نے آپس میں کہا اگر ہم نیچے والے حصہ میں ایک سوراخ کر لیں تو ہمیں بار بار اوپر نہ جانا پڑے اور اوپر والوں کو بھی زحمت نہ ہو۔ اگر اوپر والے انہیں ان کے اس ارادہ سے نہ روکیں تو جب پانی کشتی میں آئے گا تو اوپر نیچے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہیں روک دیں تو سارے بچ جائیں گے"۔

(رواہ البخاری، ریاض الصالحین رقم الحدیث 187)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اسلام پوری کائنات کا دین ہے ختم نبوت کے بعد اسے پوری دنیا تک پہنچانا امت محمدی ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ امت کا ہر فرد حسب توفیق اس کا ذمہ دار ہے اس کا فریضہ کو بجالانا سعادت کونین کا سبب ہے اور اس کا ترک دارین کی ذلتوں کا ذریعہ ہے۔ (ریاض الصالحین رقم الحدیث 187)

Marfat.com

قرآنی اصولِ دعوت وارشاد

کوئی بات کتنی ہی بلند پایہ اور ارفع واعلیٰ کیوں نہ ہو اگر اسے مناسب وقت، مؤثر الفاظ اور خوبصورت انداز سے بیان نہ کیا جائے تو وہ بے اثر ہو جائے گی اور اپنی قدر و قیمت کھو دے گی اور دعوت وارشاد کا کام تو کام ہی ایسا ہے جس میں آپ نے دوسروں کی رائے اور فکر کو تبدیل کرنا ہے۔ اپنی رائے اور فکر ہر کسی کو بڑی محبوب ہوتی ہے ایک بت پرست کو بتوں سے کم وبیش اتنی ہی عقیدتیں ہیں جیسی ایک موحد کو ذات باری تعالیٰ سے اور دعوت حق کو قبول کرنے میں تو کبھی کبھی بڑے بڑے امتحانوں سے بھی گذرنا پڑتا ہے، خواہشات نفس کو کچلنا پڑتا ہے، معاشرہ سے ٹکرانا پڑتا ہے اور مفادات قربان کرنے پڑتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب مئے لاالہ کا نشہ چڑھ جائے تو انسان ہر مشکل میں لذت محسوس کرتا ہے اور رضائے محبوب کی خاطر ہر مصیبت کو ہنس کر قبول کرتا ہے۔

دشت طلب میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پے چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

لیکن بظاہر تو یہ راستہ بڑا کٹھن اور دشوار ہے تو اگر داعی سلیقہ اور تدبر سے دعوت نہ دے گا تو یہ دلوں میں اترے گی کیسے؟ اور افکار کے دھارے تبدیل کیسے ہوں گے؟ اور ایک انسان خواہشات نفس اور مادی مفادات کو ٹھکرا کر راہِ حق کی پرخار راہوں پر چلنے کا جذبہ کیسے پیدا ہوگا۔

خدائے لم یزل نے اگر اُمت محمدیہ کو دعوت کا مکلف ٹھہرایا ہے تو اس نے اپنی لاریب کتاب میں دعوت وارشاد کے ابدی اصولوں کو بھی اتنے دلکش اور جامع انداز میں بیان فرمایا

Marfat.com

ہے جو ایک مبلغ اور داعی کے لیے دعوت کا ایک کامل نصاب ہے خدا لگتی یہ ہے کہ دعوت وارشاد کے یہ خدائی اصول اپنا لینے سے دعوت کے برگ وبار کا اتنا ہی تعلق ہے جتنا سورج سے روشنی یا چاند سے چاندنی کا۔ اوران سے انحراف دعوت کی بے ثمری اور ذلت ونکبت کا دوسرا نام ہے ان سے اعراض کر کے دعوت دعوت نہیں رہتی صرف ایک فن بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (النحل:126 تا 128)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کرو۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ اسکی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور صبر کرو اور تمہارا صبر توفیق ایزدی سے ہی ہے اور تم ان پر غم نہ کرو اور جو تدبیریں وہ کر رہے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہو۔ بے شک اللہ انہیں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار اور احسان کرنے والے ہیں"۔

ان آیات طیبات میں غور کرنے سے دعوت وارشاد کے درج ذیل اصول آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہیں:

1۔حکمت۔2۔موعظہ حسنہ۔3۔جدال احسن۔4۔استغناء۔5۔عفوودرگزر۔6۔صبر و استقامت۔7۔تقویٰ واحسان۔ان سنہری اصولوں کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

حکمت

بات کتنی ہی اعلیٰ اور خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اسے مدلل پیرایہ، جچے تلے الفاظ، مناسب موقع اور مخاطب کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے بیان نہ کیا جائے تو وہ اپنا اثر کھو دے گی دعوت کے اسی اصول کو یہاں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔یہ ایک جامع لفظ ہے جس کا معنی ہے کہ بات کو انتہائی دانشمندی اور خوبصورت الفاظ میں بیان کرے، مدعو کی علمی وذہنی سطح کو ملحوظ خاطر رکھے، مناسب جگہ اور وقت کا انتخاب کرے، مدعو کے جذبات کا احترام کرے اس کی عزت نفس کی پاسداری کرے۔انداز ایسا ہو جو مخاطب کے جملہ شبہات کو زائل کردے اور دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔

علامہ آلوسی حکمت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

الحجة القطعية المذيحة للشبه

(روح المعانی، ج 14 ص254)

''ایسی قطعی دلیل جس سے شبہات کے بادل چھٹتے چلے جائیں''۔

پھر فرماتے ہیں:

انها الكلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع

(روح المعانی ج 14 ص254)

''حکمت دل میں اتر جانے والے کلام کا دوسرا نام ہے''۔

مدعو کی علمی اور فکری سطح کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی حکمت ہے۔ایک فلسفی سے اسکی استعداد کے مطابق اور ایک کسان سے اسکی سمجھ کے مطابق بات کرنا سب حکمت کے ہی انداز ہیں حضور سید عالم ﷺ نے رکانہ پہلوان کے مطالبہ پر اس سے کشتی جیت کر اسے اسلام کا گرویدہ بنالیا تھا کیونکہ اس کے نزدیک صداقت کا معیار کوئی فلسفیانہ دلیل نہیں بلکہ کشتی تھی۔

یہ بھی حکمت کا ہی ایک پہلو ہے، کہ یہود کے علمی اعتراضات کے جوابات علمی انداز میں دیئے اور لاجواب کیا اور مشرکین کے مطالبہ پر چاند شق کر کے انہیں انگشت بدندان کر دیا۔

مدعو کے ذاتی مسائل کو سمجھ کر انہیں ملحوظ خاطر رکھ کر اسے دعوت دینا حکمت کی ہی ایک تعبیر ہے۔

فرض کیجئے ایک آدمی مالی مشکلات کا شکار ہے اسے بتایا جائے کہ عبادت اور تقویٰ کی دنیاوی برکات یہ ہیں کہ اس کے لیے آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسکی مشکلات کو حل کرنے کے اسباب پیدا فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے کہ جہاں سے اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

تو ظن غالب ہے کہ دعوت اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں بیٹھ جائے گی شاید مصارف زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کو اسی حکمت سے شامل کیا گیا ہو، ایسے ہی جس کا سکون قلب غارت ہو کے رہ گیا ہے اسے بتایا جائے کہ سکون کا منبع ذات الٰہی ہے اور اس کے قرب کے سوا سکون کے سب راستے سراب سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتے، تو امید ہے وہ دعوت قبول کرے گا الغرض حکمت، ہی تاثیر دعوت کا مرکزی نقطہ ہے۔

موعظہ حسنہ

بات جتنی بھی وزنی اور زوردار کیوں نہ ہو اگر اسے پہنچانے میں خلوص کا جذبہ کارفرمانہ ہو تو وہ قطعاً مؤثر نہیں ہو سکتی داعی کے ایک ایک لفظ اور ہر ہر ادا سے خلوص اور محبتوں کا اظہار ٹپک رہا ہو اسی کو موعظہ حسنہ کہا جاتا ہے۔امام راغب اسی پس منظر میں فرماتے ہیں:

هو التذكير بالخير فيما يرق له القلب (مفردات ص564)

''وہ نصیحت جو دلوں کو موم کر دے''۔

موعظہ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ داعی صرف خشک دلائل کے انبار نہ لگائے بلکہ مدعو کے لیے سراپا خلوص بن کے محبت بھرے انداز میں اسے دعوت دے جیسا کہ حضور نبی رحمت ﷺ کی بارگاہ عالی میں اکثر اعرابی کوئی عجیب وغریب حرکات کا ارتکاب کر دیتے۔لیکن

Marfat.com

نبی رحمت ﷺ انہیں ایسے دلنشین انداز میں سمجھاتے کہ اسلام کی عظمتیں ان کے دلوں میں گھر کر جاتیں۔

ایک مرتبہ ایک بدو مسجد میں پیشاب کرنے لگ گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے مارنے کو دوڑے آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو جب وہ فارغ ہوا تو آپ نے انتہائی محبت بھرے انداز سے اسے سمجھایا کہ مسجدیں صرف یاد الہی کے لیے ہوتی ہیں اور مسجد کو صاف کروا دیا یہی چیز اس کے دل میں اسلام کی عظمتوں کا سکہ بٹھا گئی۔ اسی محبت بھرے جذبہ سے دعوت پہنچانے کو موعظہ حسنہ کہا جاتا ہے۔

داعی کو یہ بھی چاہیے کہ وہ مدعو کے اندر چھپے ہوئے جذبہ خیر کو بیدار کرے۔ اگر داعی مدعو کو حقیر سمجھنے لگے اور اس کے جذبات کا احترام نہ کرے تو یہ دعوت اپنا اثر کھو دے گی قرآن و سنت سے وعدہ اور وعید کے احکام سنانا بھی موعظہ حسنہ کا ہی ایک پہلو ہے۔

جدال احسن

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کبھی دوران دعوت مدعو بحث و مناظرہ پر اتر ائے تو داعی کو چاہیے کہ وہ انتہائی خوش اسلوبی سے اس سے بحث کر کے اس کے اعتراضات کا جواب دے۔ بحث نہ تو کوئی لڑائی جھگڑے کا روپ دھارے اور نہ ہی علمی برتری کے اظہار کا ایک موقع بن کے رہ جائے اگر مدعو کو لاجواب کرنے کا ہی شوق سر پر سوار رہے تو ممکن ہے کہ وہ لاجواب تو ہو جائے لیکن آپ کی دعوت کو قطعاً قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے مناظرہ سے مقصود دوسرے کو کم علم ثابت کرنا نہ ہو بلکہ اس کے شبہات کو زائل کر کے اسے راہِ حق پر گامزن کرنا ہو۔ کسی کو لاجواب کرنا آسان ہوتا ہے لیکن قائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جیسے ایک سرکش گھوڑے کو گولی مار کر مار دینا آسان ہے لیکن اسے سدھارنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے مناظرہ سے مقصود کسی کو گھائل کرنا نہ ہو بلکہ اسے راہِ حق پر گامزن کرنا ہو ایک دانشور کا قول ہے کہ اگر دوران بحث آپکو ایک ایسی دلیل یاد آ جائے کہ جسے سن کر آپ کا مخاطب نہ صرف لاجواب ہو جائے بلکہ مکمل طور پر گھائل ہو جائے تو آپ وہ دلیل ضائع کر دیں لیکن

Marfat.com

بندہ ضائع ہونے سے بچالیں۔ حضور ضیاء الامت نے جدال احسن کی تفسیر کتنے دلربا انداز سے فرمائی ہے:۔

"فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار نہ لگاتے جاؤ بلکہ تمہارا انداز خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کے چشمے ابل رہے ہوں۔ آپکی آواز کا زیر و بم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اگر بھٹکا ہوا راہی آمادہ پیکار ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت پہنچ جائے۔ تو تم احسن اور عمدہ طریقے سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اسے اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس معیار پر پورا اترنے کے لیے علم و آگہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارم اخلاق اور محاسن خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہ نعمت کسی صاحب دل کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے" (ضیاء القرآن جلد 2 صفحہ 618)

ہر شخص کو اپنی رائے بڑی محبوب ہوتی ہے۔ وہ اپنی رائے اس صورت میں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا اگر آپ اسے حقیر یا جاہل ثابت کرنے پر تل جائیں۔ اس سے اس کی انا پرستی بیدار ہو جائے گی اور وہ قبول حق سے بہت دور چلا جائے گا۔ دوران بحث کوئی ایسی بات نہ کریں جو مخاطب کو رنجیدہ کرنے والی ہو۔ مثلاً آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس نے فلاں کتاب نہیں پڑھی۔ اگر اس سے بلا واسطہ پوچھا جائے کہ کیا آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ بھرے مجمع میں وہ اس کا اقرار تو نہیں کرے گا الٹا بات کو الجھا دے گا۔ اگر آپ اسے یہی بات یوں کہیں کہ فلاں کتاب میں یوں ہے وہ آپ کی نظر سے بھی گزری ہوگی۔

تو یہ انداز گفتگو اسے آپکا قائل کرنے کے لیے زیادہ مناسب رہے گا۔ یاد رہے مذکورہ بالا تینوں طریقوں کا اطلاق بیک وقت بھی ہو سکتا ہے اور شاید یہ لوگوں کے مزاج مختلف ہونے کی وجہ سے ہیں۔ کچھ لوگ فلسفی اور حکیم ہوتے ہیں انہیں حکمت سے تبلیغ کریں کچھ

Marfat.com

سادہ لوح ہوتے ہیں انہیں موعظہ حسنہ سے دعوت دیں اور کچھ بحث و تمحیص میں دلچسپی رکھتے ہیں ہو انہیں جدال احسن سے حق کی طرف بلایا جائے الغرض اسلام اپنے پیرو کاروں کو ایک ایسا جامع طریق دعوت دیتا ہے جو ہر کسی کی تشنگی کا ساماں کر سکے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق ، حضور و اضطراب

عملی تبلیغ

مذکورہ بالا تینوں اشیاء قولی بھی ہو سکتی ہیں اور عملی بھی ،قولی کا تو ذکر ہو چکا۔ عملی سے مراد یہ ہے کہ عملی طور پر اس چیز کا اثبات کیا جائے مثلاً حکمت یہ ہے کہ مخاطب کی نفسیات اور اسکی عملی سطح کو دیکھتے ہوئے اسے دعوت دی جائے اب عملی حکمت یہ ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جو مدعو کی تشفی کر سکے مثلاً چند فلسفی کسی بزرگ کے پاس گئے وہ الفاظ کی تاثیر کا انکار کر رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ تم خواہ مخواہ کہتے ہو کہ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ تاثیر ہے بھلا الفاظ تو الفاظ ہیں ان کا تاثیر سے کیا تعلق انہوں نے فلسفیوں سے فرمایا تم سب گدھے ہو۔ یہ سنتے ہی فلسفی غصہ میں آ گئے ان کے چہرے تمتمانے لگے اور غیظ و غضب ان کی گفتگو سے ٹپکنے لگا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں ایک ایسا لفظ کہا جو دراصل غلط اور خلاف واقع تھا لیکن یہ اسکی تاثیر ہی ہے کہ تم اتنے شدید غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہو جب اس لفظ میں تاثیر ہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام جو مبنی بر حقیقت ہے اسکی تاثیر کیوں نہ ہو۔ اس عملی حکمت نے فلسفیوں کو تاثیر الفاظ کا قائل بنا دیا۔

ایسے ہی موعظہ حسنہ قولی بھی ہو سکتا ہے اور عملی بھی مثلاً ایک صاحب جو حسن صورت کے فریفتہ ہو گئے تھے۔ ان کے شیخ انہیں حسن صورت کے دام سے نکال کر حسن سیرت کا گرویدہ بنانا چاہتے تھے تو یہاں موعظہ حسنہ قولی تو یہ تھا کہ انہیں سمجھایا جاتا کہ اصل چیز سیرت ہے نہ کہ صورت اور انہیں ایسے الفاظ میں اس حقیقت کو سمجھانا تھا۔

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دَیر میں خون جگر نہ کر تلف

لیکن ان بزرگوں نے اسی چیز کو سمجھانے کے لیے موعظہ حسنہ عملی کا طریقہ اختیار کیا کیونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ انہوں نے جس پر وہ فریفتہ تھے اسے مسہل دوائیں کھلائیں کثرت اسہال کی وجہ سے اسکی رنگت بدل گئی اور ہیئت تبدیل ہوگئی۔ جب اس مرید نے اسے دیکھا تو نفرت کا اظہار کرنے لگا تو شیخ نے اسے اس کے خارج شدہ فضلات دکھائے اور کہا دراصل تمہیں اس سے محبت تھی ورنہ وہ ذات تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ اس مؤثر دعوت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت توبہ کرلی۔

ایسے ہی جدال احسن بھی عملی ہوتا ہے اور اسکی تاثیر جدال قولی سے بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ عموماً مدعو کو قائل ہوئے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کچھ دہریوں نے روح کے امر ربی ہونے کا انکار کیا کہ روح تو گردش خون سے ہوتی ہے اس کا امر ربی ہونے سے کیا تعلق ہے؟

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرے مجمع میں اپنی شہ رگ کاٹ دی یہاں تک کہ ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچڑ گیا تو آپ نے فرمایا اگر روح امر ربی نہیں تو بتاؤ اب میں کیوں زندہ ہوں۔ جب کہ میرے خون کا آخری قطرہ بھی بہہ گیا ہے۔

(دینی دعوت کے قرآنی اصول ص 62 از قاری محمد طیب)

ظاہر ہے اس کے بعد کیا امجال انکار رہی ہوگی۔ حضرت سائیں توکل شاہ کے زمانہ میں جب علماء میں کسی حدیث کی سند کے متعلق اختلاف ہوجاتا تو وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے آپ باوجود امی ہونے کے اس حدیث کے متعلق فیصلہ فرماتے کہ یہ حدیث دراصل حدیث ہے یا موضوع ہے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی کیفیت میں کوئی مولوی صاحب آپکی بات نہ مان رہے تھے تو حضرت سائیں توکل شاہ نے جلال میں آکر فرمایا وہ دیکھ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اور فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث میری نہیں ہے۔ انہوں نے دیکھا تو واقعی

Marfat.com

وہاں سرکار ﷺ تشریف فرما تھے۔ یا جیسے حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے رخ پر اعتراض کرنے والوں کو بیت اللہ دکھا دیا تھا۔

جدال احسن عملی کے بعد انکار کی گنجائش رہتی ہی نہیں ہے۔ آج کل دعوت کی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ دعوت صرف قولی ہے عملی مفقود ہے اور عملی دعوت کا ملکہ اہل تصوف کے در کی دریوزہ گری سے ملتا ہے چونکہ الاشاء اللہ تصوف بھی برائے نام ہی رہ گیا اور داعیان کا ان سے رابطہ بھی رسمی رہ گیا لہٰذا ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔

توفیق عمل مانگ نیاگان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

استغناء

اگر داعی کسی بھی قسم کی حرص و طمع کا مظاہرہ کرے گا تو وہ مدعو کی نظروں سے گر جائے گا اور نظر سے گرے ہوئے آدمی کی بات بے وزن ہو جاتی ہے اس لیے دعوت کا سارا عمل رائیگاں چلا جائے گا۔ اسی لیے داعی کو خوددار اور عزت نفس کا محافظ ہونا چاہیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کے پس منظر میں ان کا یہ فرمان قرآن مجید میں اکثر ذکر کیا گیا ہے:

فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ‌ۙ (یونس:72)

''میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اس کا اجر مجھے اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا''۔

قرآنی تعلیمات کے مطابق داعی کی خودداری اور عزت نفس کا یہ عالم ہونا چاہیے کہ اسے اپنی دعوت کے ثمرہ سے بھی مستغنی ہو جانا چاہیے حالانکہ دعوت کا ثمرہ اور نتیجہ ایک مطلوب چیز ہے۔ لیکن داعی کو اس سے بھی استغناء برتنے کا حکم ہے۔ مدعو اثر قبول کرے یا نہ کرے وہ داعی کی تعریف کرے یا مذمت داعی ان سب سے بے نیاز ہو کر دعوت کے کام میں لگا رہے اور اسی کو غنیمت جانے کہ اس نے اپنے مولا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا ہے۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال احسن کی تذکرہ کے بعد
آداب دعوت کے ضمن میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (النحل:125)

"بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے کہ جو راہ پر چلنے والے ہیں"۔

عفوودرگزر

انسان عموماً منتقم مزاج واقع ہوا ہے۔ انتقام لینے سے انسان کسی کا سر تو پھوڑ سکتا ہے اس کا انگ انگ توڑ سکتا ہے لیکن اس کے دل میں اپنی محبت کے چراغ نہیں جلا سکتا۔ دل جبھی فتح ہوتے ہیں جب انتقام نہیں بلکہ عفوودرگزر کا راستہ اپنایا جاتا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ (حم السجدہ:34)

"بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہوتے۔ تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن تمہارا بہترین دوست بن جائے گا"۔

داعی ایک بہت اعلیٰ مقصد رکھتا ہے اسے بھی چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو پیچھے چھوڑے اور مقصد کو آگے رکھے۔ انتقام کا وطیرہ نہ اپنائے بلکہ عفوودرگزر کی راہوں کا داعی بنے تاکہ اس کا پیغام دلوں میں اترتا چلا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی نشرواشاعت کا ایک بہت بڑا سبب ایسا ہی اعلیٰ اخلاق ہے فتح مکہ کے دن جب جان کے دشمنوں کو **لا تثریب علیکم الیوم** کا مژدہ جانفزا سنایا گیا تو ہزاروں دل اسلام کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کر لی

Marfat.com

اللہ رب العزت نے داعی کو یہی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ (النحل:126)

"اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے"۔

صبر و استقامت

زندگی کے کسی کام میں بھی اگر پامردی اور استقامت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو ناکامی و نامرادی ہی مقدر بنتی ہے اور دعوت تو اتنا مہتم بالشان اور عظیم کام ہے کہ اس کے ثمرات پوری انسانیت تک پھیلتے ہیں۔ اس کے لیے تو صبر و استقامت کی بے پناہ ضرورت ہے۔ دعوت میں عدم تسلسل، مدعو کے انکار و استہزاء سے بددل ہو جانا یا مصائب و آرام میں ہمت ہار بیٹھنا۔ یہ چیزیں داعی الی اللہ کے شایان شان نہیں ہوتیں۔ داعی کو ہمیشہ داعی اعظم ﷺ کے اس فرمان کو مدنظر رکھنا چاہیے جو آپ نے قریش کی دھمکیوں اور پیشکشوں کے جواب میں فرمایا تھا۔

"اے میرے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں۔ اور یہ سوچیں کہ میں دعوت حق کو چھوڑ دوں گا۔ تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لیے اپنی جان قربان کر دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں"۔

(سیرت ابن کثیر ج 1 ص 474)

میاں عبدالرشید مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ نیکی کے مبلغ زیادہ ہیں اور برائی کے کم لیکن برائی کے مبلغ برائی پھیلانے میں مخلص ہیں اور نیکی کے مبلغ نیکی پھیلانے میں مخلص نہیں ہیں الا ماشاء اللہ۔ اگر نشے کا ایک عادی کسی محلے میں آبستا ہے۔ وہ نشہ پھیلانے میں شب و روز ایک کر دیتا ہے۔ نہ گالیوں کی پرواہ کرتا ہے اور نہ دھمکیوں کی۔ اور کتنے ہی لوگوں کو وہ نشے کا

Marfat.com

عادی بنالیتا ہے لیکن اگر نیکی پھیلانے والے اپنے مفادات اور آرام و آسائش کو آڑے لے آئیں تو کتنے افسوس کی بات ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد ہمیشہ فرمایا کرتے تھے:

رحم اللہ ابا الھیثم غفر اللہ لابی الھیثم

اللہ ابی الہیثم پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشے۔

میں نے دریافت کیا قبلہ! یہ ابی الہیثم کون ہے جس کے لیے آپ ہر وقت دعا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بغداد کا لوہار تھا اور چوری کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب مجھے خلق قرآن کا اقرار نہ کرنے کے جرم میں سپاہی کوڑے لگانے کے لیے لے جا رہے تھے وہ میرے پاس آیا اور مجھے اپنی پیٹھ دکھا کر کہنے لگا کہ مجھے چوری کی عادت ہے اور اس جرم میں میری پیٹھ پر اٹھارہ ہزار کوڑے لگ چکے ہیں۔ لیکن اتنی سزا کے باوجود میں نے چوری ترک نہیں کی۔ تم چند کوڑوں کے خوف سے کہیں حق کو نہ چھوڑ دینا۔ مجھے اس کی نصیحت سے بہت استقامت حاصل ہوئی اس لیے میں اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

(سنت خیر الانام 67-166)

اس راہ میں کبھی مشکلات پیش آتی ہیں اور کبھی پیشکشیں کی جاتی ہیں۔ اور پیشکش کی آزمائش زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جب امام احمد بن حنبل کو سزائیں دینے کی بعد انہیں انعام و اکرام کی پیشکش کی گئی تو پکار اٹھے واللہ! یہ مصیبت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اسی صبر و استقامت کی تعلیم دیتے ہوئے اصول دعوت کے ضمن میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ (النحل: 127)

"اور صبر کرو اور تمہارا صبر خدا ہی کی توفیق سے ہے اور تم ان پر غم نہ کرو اور ان کی

Marfat.com

تدبیروں سے دل تنگ نہ ہوں''۔

احسان وتقویٰ

علامہ اقبال کا بڑا خوبصورت شعر ہے۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے

تقویٰ اس نور بصیرت کو کہا جاتا ہے جس کے سبب آدمی نیکی سے محبت کرتا ہے اور بدی سے نفرت۔ اگر یہ دولت گرانمایہ نصیب نہ ہو تو اول تو دعوت کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض اس کے بغیر کوئی بندہ دعوت کے کام میں لگ بھی جائے۔ تو اس خلوص اور للٰہیت کا پیدا ہونا ناممکن ہے جو دعوت کو ایک رسم سے نکال کر حقیقت کا روپ پہناتی ہے۔ صاحب تقویٰ کی بات ہی دلوں میں انقلاب برپا کرتی ہے۔ اور اللہ کی مدد اسی کی شامل حال ہوتی ہے۔

اسی لیے داعی پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (النحل:128)

''بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اور احسان کے راستوں پر گامزن ہوتے ہیں''۔

دعوت وارشاد کی یہی خدائی اصول ہیں اگر انہیں اپنا لیا جائے تو دعوت دلوں کی کایا پلٹ دیتی ہے اور امت مسلمہ اگر دعوت کی مکلف ہے اور یقیناً ہے تو ان سنہری اصولوں کو اپنانے کی بھی پابند ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت اور ارشاد کی ان روشن شاہراہوں پر گامزن فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

دعوت اور اسوہ انبیاء علیہم السلام

کسی دانشور کا قول ہے:

''انسان زندگی بھر کتابیں اکٹھی کرتا ہے۔ جب اسکی لائبریری مکمل ہوتی ہے تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے''۔

کامیاب زندگی کے گر تجربات سے گزر کر ہی سیکھے جاتے ہیں۔ لیکن کیا یہ بہتر ہے کہ انسان ہر میدان میں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی کامیابیوں کی راہوں سے آشنا ہو۔ یا یہ کہ پہلے کامیاب انسانوں کی زندگیوں کو ہی مشعل راہ بنائے۔ یقیناً کامیاب لوگوں کی روش پر چلنا دانشمندی ہے اور سلامتی کا راستہ بھی۔

دعوت ایک مقدس عمل ہے اور امت کا ہر فرد اس کا مکلّف بھی ہے۔ دعوت کے میدان میں نت نئے تجربات سے گذرنا ناکامی کی کلید بھی ہے اور وقت کا ضیاع بھی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انبیاء کرام علیہم السلام کے اسلوب دعوت کو بڑی کثرت سے بیان فرمایا۔ تاکہ لوگ ان طریقوں کو ہی مشعل راہ بنائیں اور دعوت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوں۔ چند انبیاء کرام کا اسلوب دعوت ملاحظہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسلوب دعوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے قرآن حکیم نے بڑے تفصیل سے بیان فرمائے ایک وہ جب آپ نے اپنے باپ آزر (قرآن وسنت کے دیگر دلائل کی روشنی میں یہ بات طے ہے کہ آزر آپ کا چچا تھا لیکن چونکہ آپکی پرورش اس نے ہی کی تھی اس لیے اسے مجازی طور پر باپ کہا گیا اور عرب محاورہ میں بھی چچا پر باپ کا اطلاق کرتے ہیں

واللہ اعلم بالصواب) کو دعوت دی اور دوسرا جب اپنی قوم کو اپنی دعوت دی۔ دونوں جگہ اسلوب مختلف ہے۔ باپ کی دعوت کے پس منظر میں یہ آیات تلاوت فرمائیے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴿۴۳﴾ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴿۴۵﴾

(مریم:42تا45)

"جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے۔ اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپکے پاس نہیں ہے تو تم میری بات مانو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر بے شک شیطان خدائے رحمان کی نافرمانی کرنے والا ہے۔ اے میرے باپ مجھے خوف ہے۔ کہ تمہیں خدائے رحمان کا کوئی عذاب نہ پکڑ لے اور تم شیطان کے ساتھی بن کر رہ جاؤ"۔

دعوت کے اس اسلوب میں ایک داعی کے لیے دعوت کے بے پناہ اصول پنہاں ہیں۔

1۔ آزر آپ کا چچا تھا اور اس نے آپ کی پرورش کی تھی آپ کو پالا تھا۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے محسن کو اسکی کسی غلط بات پر بھی نہیں ٹوکتا یا شرما جاتا ہے یا اس کے ناراض ہونے کے خوف سے ڈرتا رہتا ہے۔ حالانکہ محسن کے ساتھ حقیقی بھلائی اسکی غلطی پر خاموشی اختیار کرنا نہیں بلکہ اسے ٹوکنا ہے۔ اسے اس ظلم سے روکنا ہے۔ داعی حق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محسن چچا کو اس گمراہی سے روکا اور بڑے شد و مد کے ساتھ روکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ محسن حقیقی کی محبت میں کسی کا احسان آڑے نہ آنا

Marfat.com

چاہیے۔اگر یہی معاملہ آپکے باپ کے ساتھ ہوتا تو آپکے لیے قدرے آسان ہوتا۔کیونکہ چچا کی نسبت باپ سے ایک فطری بے تکلفی ہوتی ہے۔یہ چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذبہ دعوت کو مزید اجاگر کرتی ہے۔اور ہمیں بتاتی ہے کہ محسن کی حقیقۃً شکر گزاری اسے گناہ اور گمراہی سے ہی روکنا ہے نہ کہ وہاں سکوت اختیار کرنا نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:انصر اخاک ظالما او مظلوما۔اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد تو ہوگئی ظالم کی مدد کیسے ہوگی فرمایا اسے ظلم سے روک دینا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

2۔آپ نے اپنے گمراہ چچا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا ابت۔ابا جان! یہ لفظ کمال محبت اور شفقت پر دلالت کرتا ہے۔جب بچہ ایسے محبت بھرے خطاب سے مخاطب ہوگا تو مخاطب کے دل میں عموماً محبت کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔آپ نے اسے نام لیکر نہیں پکارا اسے اے بت فروش کہہ کر نہیں پکارا بلکہ یا ابت کے محبت بھرے خطاب سے پکارا ہے۔اس میں داعی کے لیے یہ سبق ہے کہ مدعو جتنا بھی برا اور گمراہ کیوں نہ ہو اسے محبت بھرے الفاظ سے مخاطب کرنا چاہیے۔کیونکہ مدعو کی مثال اس مریض کی سی ہوتی ہے جو ڈاکٹر سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے ڈاکٹر کو برا بھلا کہتا ہے لیکن ڈاکٹر کمال شفقت سے اس کا علاج کرتا رہتا ہے۔نفرت تو برائی سے ہوتی ہے برے سے نہیں برا تو مرض ہوتا ہے نہ کہ مریض مرض جتنا زیادہ ہو مریض اتنا ہی قابل ترس اور محل محبت ہوتا ہے۔

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر (غالب)

3۔پھر آپ نے فرمایا" ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنے نہ دیکھے"۔

اس میں آپ نے بتوں کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو کسی بت پرست کے جذبات کو مشتعل کردے یا جس میں بتوں کو کوئی گالی دی گئی ہو۔بلکہ آپ نے بتوں کے متعلق ایک ایسی بات کہی جو خود ان کے نزدیک بھی مسلم تھی کہ یہ بت سنتے یا دیکھتے نہیں ہیں

Marfat.com

اس میں بھی داعی کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے وہ یہ کہ مذہبی عقیدتیں بڑی شدید ہوتی ہیں۔ ایک بت پرست کو بتوں سے کم وبیش وہی محبت ہوتی ہے جو ایک موحد کو اللہ تعالیٰ سے ہے اگر کسی کے مذہبی جذبات کو خواہ مخواہ ٹھیس پہنچائی جائے تو وہ مشتعل ہو جاتا ہے اور دعوت کا کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ داعی کے مدنظر کبھی بھی اپنی ذات کی بہتری اور مدعو کی حقارت نہ ہونی چاہیے ورنہ دعوت کا کام کبھی بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمال حکمت سے بتوں کی بے بسی بھی واضح فرمائی لیکن مدعو کے جذبات کا بھی خیال رکھا۔

4۔ پھر آپ نے فرمایا: ''ابا جان! میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں میری بات مانو میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا''۔

آپ نے پھر یا ابت کے محبت بھرے لفظ سے مخاطب فرمایا۔ اور پھر اس انداز سے بات کی جو آزر کے دل کی دنیا بدلنے کے لیے کافی تھی بشرطیکہ وہ ضد اور عناد کی آخری حدوں تک نہ پہنچ چکا ہوتا۔

بات یہ ہے کہ سلیم الفطرت باپ اپنے بیٹے کے کمالات سے خوش ہوتا ہے۔ اپنے بیٹے کو عظمتوں پر فائز ہوتا دیکھ کر باپ ایک سرمدی کیف محسوس کرتا ہے۔ انسان کی اسی نفسیاتی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے بھی آزر کو دعوت دی۔ دراصل بندے کو اپنی رائے بڑی محبوب ہوتی ہے۔ مدعو کو بھی باطل رائے سے بڑی ہی محبت ہوتی ہے۔ اسے اس سے باز رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ داعی اس پر کسی طریقہ سے واضح کرے کہ میں کوئی تمہارا دشمن یا تمہیں ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ میں تمہارا ہی ہوں تمہارا بھائی ہوں، تمہارا بیٹا، تمہارے ہی علاقے کا ہوں یا تمہاری ہی قوم کا ایک فرد ہوں۔ اس سے مدعو کی ذہنی انا کی ایک تسکین کا پہلو نکلتا ہے۔ اور دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ گویا مدعو کو اس انداز سے دعوت دینا کہ وہ محسوس کرے کہ داعی ہمارا اپنائیت ہے مدعو پر اپنائی کا احساس طاری کرنا بھی میدان دعوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اسلوب ہے۔

Marfat.com

5۔ پھر فرمایا: ”اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر بے شک شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ تمہیں خدائے رحمٰن کا کوئی عذاب نہ پکڑ لے اور تم شیطان کے ساتھی بن کر رہ جاؤ“۔

جب بتوں کی بے بسی واضح ہوگئی۔ بیٹے ہونے کے جذبہ کو ابھارا تو پر کمال دانشمندی اور غضب کی دلسوزی سے فرمایا کہ شیطان کی عبادت نہ کر...... الخ

یہ دعوت کا اصل مدعا ہے اس میں داعی کو بتدریج سبق دیا گیا ہے کہ پہلے مخاطب کو تدریجاً اس کی غلطیوں سے آگاہ کرو اسکے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اور پھر زوردار الفاظ سے حق کا اعلان کرو اور اس پر واضح کرو کہ میں صرف اور صرف تمہیں خدائے رحمٰن کے عذاب سے بچانے والا ہوں۔ ان آیات میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ موعظہ حسنہ کا محل حکمت کے بعد ہے پہلے مخاطب کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر قائل کریں اور پھر دلسوزی سے نصیحت کریں۔ ”مجھے ڈر ہے کہ تمہیں خدائے رحمٰن کا عذاب نہ پکڑ لے“۔

دعوت کا یہ اسلوب اختیار کرنے سے ظن غالب ہے کہ بات مدعو کے دل میں اتر جائے گی۔

آزر کا جواب اور دعوت ابرہیم علیہ السلام کا ایک اور پہلو

اس قدر عقلی و نفسیاتی، اخلاقی اور پرسوز دعوت کا جو جواب ملا وہ نفرت اور تعصب کا ایک منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس کے جواب میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام دل برداشتہ نہیں ہوئے۔ آپ نے مایوس ہو کر کار دعوت کو چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ ان نازک لمحوں میں بھی آپ نے قیامت تک آنے والے داعیان حق کے لیے ایک نیا نمونہ چھوڑا۔

باپ کا تند و تلخ جواب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبت بھرا انداز قرآن کریم کے الفاظ میں سنئے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۫

عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ (مریم:46 تا48)

''باپ نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام کیا تم میرے معبودوں سے پھر ہو گئے ہو۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم پر سلامتی ہو میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش کی دعا کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں تم کو چھوڑتا ہوں اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا امید ہے میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔''

اس میں ایک داعی کے لیے دعوت کی بہت سی روشن شاہراہیں موجود ہیں۔

1۔ دعوت جتنی بھی محبت اور سوز و آگہی سے دی جائے ضروری نہیں ہے کہ مدعو آپ کی بات مان ہی لے یہاں کبھی کبھی محبت کا جواب نفرتوں سے ملتا ہے اور پھولوں کے جواب میں پتھروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر داعی کو ہمت ہار کے کار دعوت سے دست بردار نہیں ہو جانا چاہیے۔ بلکہ دعوت کا کام کسی اور زاویہ سے کرنا چاہیے، جس میں قبولیت دعوت کے زیادہ امکانات ہوں۔

داعی کو کسی بھی موقع پر مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ دعوتی کوششوں کو مزید تیز کرنا چاہیے دراصل رضائے الٰہی کا سفر ایسا سفر ہے جو سفر بھی ہے اور منزل بھی۔ یہاں مقصود کا پالینا ہی منزل نہیں بلکہ تلاش منزل میں جان کا نذرانہ پیش کر دینا بھی منزل ہی ہے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہے لگا لے جی چاہے
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں
جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں
(فیض)

داعی یقین رکھے کہ لوگ میری بات مانیں یا نہ مانیں میرے کار دعوت سے میرا رب

Marfat.com

مجھ سے ضرور خوش ہوگا۔ یہی چیز اسے مایوسی سے بچا سکتی ہے۔ ورنہ دعوت کے مرحلے بڑے کٹھن ہیں اس کی وادیاں بڑی سنگلاخ ہیں۔

2۔ باپ کے تلخ جواب میں آپ نے فرمایا:

"تم پر سلامتی ہو میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب حاملین دعوت پر واضح کرتا ہے کہ انہیں سختی کے جواب میں سختی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ ایک عظیم مقصد کو لیکر نکلے ہوئے ہیں۔ اور خدائی سفیروں کو اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر کے اس کے بندوں کو اسکی محبتوں کا امین بنانا ہے۔

ایسے دل توڑ دینے والے موقعوں پر کبھی کبھی بندے کے دل میں عجیب وغریب خیالات بھی آجاتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھے کیسے گمراہ لوگوں کی طرف بھیج دیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ کہتا ہے کہ ایسے سخت موقعوں پر بھی نظر رب کی رحمتوں پر ہونی چاہیے۔ اس کی بے پناہ رحمتوں کا تصور ہی بندے کو سارے دکھ بھلا دیتا ہے۔

یک نگاہ ناز جانان قیمت ایمان ما

3۔ "میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب کو ہی پکاروں گا۔ امید ہے میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔"

انسان جہاں رہ رہا ہوتا ہے۔ اسے اس جگہ سے انس ہو جاتا ہے وہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اپنے دوست احباب کو اور جنم بھومی کا چھوڑنا اسے بڑا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ لیکن داعی کی تمام تر محبتوں اور الفتوں کا محور ذات الٰہی ہوتی ہے۔ وہ اسی کی محبت کا پیغام لیکر گلی گلی اور نگر نگر گھومتا ہے۔ اگر وہ یہ محسوس کرے کہ یہ لوگ سمجھنے کے باوجود بھی نہیں سمجھ رہے۔ تو وہ ان لوگوں میں ہی رہ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنی تمام تر محبتوں کے باوجود اس جگہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ ان لوگوں کو الوداع کہہ دیتا ہے اور دعوت کا محبت بھرا پیغام لیکر کسی اور جگہ منتقل ہو جاتا ہے اگر مکے والے نہ مانیں تو جذبہ دعوت اسے مدینے لے جاتا ہے۔

Marfat.com

وہ نہیں سوچتا پردیس میں جی کیسے لگے گا۔ دوست احباب کے بغیر زندگی کیسے کٹے گی۔

وہ بانگ دھل اعلان کرتا ہے میں تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔

عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا (مریم:48)

میرا رب مجھے اپنے کرم کی چادر میں ڈھانپ لے گا۔ داعی کا اصل سہارا برادری یا قبیلہ نہیں بلکہ صرف اور صرف خدائے واحد کی ذات ہوتی ہے۔ دعوت ابراہیم علیہ السلام داعی کو یہی چیز بتارہی ہے۔

داعی کے لیے مژدہ جانفزا

اللہ رب العزت کی ذات کریم بھی بڑی ہے اور اس کے خزانے بھی بھرے پڑے ہیں جب بندہ اس کی راہ میں کچھ بھی لٹاتا ہے تو وہ کئی گنا زیادہ عطا فرماتا ہے۔ بندہ ایک فانی جان اسکی راہ میں قربان کرے وہ اسے حیات ابدی کا امین بنا دیتا ہے۔ جب بندے نے اسکے پیغام کو پہنچانے کے لیے وطن چھوڑا۔ دوست احباب کو چھوڑ کر گوشہ گمنامی میں چلا گیا تو رب جلیل نے اسے کیا عطا فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی اعلان کے بعد ارشاد ہوا:

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ (مریم:49 تا50)

”جب وہ لوگوں سے جدا ہو گیا اور ان سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے۔ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور انہیں اپنی رحمت کا حصہ دیا۔ اور ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا“۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جذبہ دعوت سے سرشار ہو کر اپنی برادری اور قبیلہ چھوڑا تھا۔ دوست احباب کو الوداع کہہ دیا تھا تو فرمایا ہم نے اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے۔ اور انہیں نبوت عطا فرمائی۔ گویا یہاں قبیلہ چھوڑنے کے بدلہ میں اس

Marfat.com

سے بہتر قبیلہ دینے کا ذکر ہے کہ میرے خلیل نے میری رضا کے لیے کافر قبیلہ چھوڑا تھا ہم نے اسے نبوت کا قبیلہ عطا فرمایا۔ یاد رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہی بنی اسرائیل کہلاتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے لے جانے کے وقت لاکھوں میں تھے تقریباً آٹھ لاکھ اور ان سے ستر ہزار انبیاء آئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہی امام الانبیاء ﷺ ہیں۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قبیلہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہتر قبیلہ اور اس سے کہیں بڑا قبیلہ عطا فرمایا۔

وطن کو چھوڑا کہ آپ پردیس چلے گئے تھے پردیس میں جانا گویا اپنے آپ کو گوشہ گمنامی میں ڈالنا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی نیک نامی اور شہرت عطا فرمائی کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب ہی انہیں اپنا مقتدا مانتے ہیں۔ اور اہل ایمان کو نمازوں میں انکے لیے دعائیں مانگنے کا حکم دیا گیا۔

اس میں داعی کے لیے یہ سبق ہے کہ اگر تم دعوت کے لیے وطن چھوڑو گے تو تمہیں بہتر وطن ملے گا۔ دوست احباب چھوڑو گے تو بہتر دوست احباب مل جائیں گے اور اگر گوشہ گمنامی میں جاؤ گے تو شہرت کے بام عروج پر پہنچا دیئے جاؤ گے بشرطیکہ جذبہ صرف دعوت کا ہو کوئی اور نہ ہو۔

رہتا ہے ذوق نام سخن سے ازل تلک
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

دعوت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نمونہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بتوں کی پجاری تھی وہ پشت ہا پشت سے بتوں کی عبادت کرتے چلے آرہے تھے۔ ان پر بتوں کی بے بسی اور رب جلیل کی قدرتوں کو واضح بھی کرنا تھا لیکن کمال حکمت اور دانشمندی کے ساتھ۔ کیونکہ پرانی روشوں کو چھوڑنا اگرچہ وہ کتنی ہی غلط اور غیر معقول کیوں نہ ہوں اور نئی راہوں کو اپنانا اگرچہ وہ کتنی ہی اچھی اور فلاح و کامرانی کی ہی کیوں نہ ہوں بہر حال ایک مشکل کام ہے۔ بقول اقبال ؎

Marfat.com

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اس پس منظر میں جس کمال حکمت اور درد و سوز کے ساتھ آپ نے ان پر بتوں کی بے بسی واضح فرمائی اور انہیں عظمت الٰہی سے آشنا فرمایا۔ وہ قرآن حکیم نے تا ابد اپنے سینہ میں محفوظ فرما لیا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ (الشعرء:69 تا 74)

"اور انہیں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سناؤ۔ جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور برابر اس پر جمے رہیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تم کو نفع نقصان پہنچاتے ہیں انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے"۔

بتوں کی عبادت سے منع کرنے کے لیے پہلی بات یہ تھی کہ ان پر یہ بات واضح کی جاتی کہ بتوں کی عبادت پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ تم صرف آباء پرستی کے سبب انہیں کی عبادت کیے جا رہے ہو۔ اور یہ ایک ذرہ بھر نفع یا نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ اسی بات کو اس انداز میں کہتے کہ یہ بت نہ تمہیں نفع دیتے ہیں نہ نقصان یہ تو تمہاری آواز تک نہیں سنتے تو تمہارے معبود کیسے ہو گئے تو تو صرف اپنے بت پرست آباء و اجداد کی اندھی پیروی کیے جا رہے ہو۔ تو یقیناً ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی اور وہ بھڑک اٹھتے۔ آپ نے ایک ایسا سوال ان سے کیا کہ یہ ساری باتیں انہوں نے خود ہی کہہ دیں۔

اس میں دعوت کی ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے کہ پہلے مدعو پر اسکی گمراہی کمال

دانشمندی سے واضح کی جائے اور ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ وہ خود ہی اپنے بھٹکنے کا اقرار کرلے اور اسے احساس تک نہ ہو کہ میرا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ جب ان کے دلوں پر بتوں کی بے بسی کا نقش بیٹھ گیا اور انہوں نے خود اپنے بے دلیل ہونے کا اقرار کرلیا تو پھر ان کے غلط عقیدہ پر ضرب لگائی اور اللہ وحدہ لاشریک کی عظمتوں کو بیان فرمایا:

قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ
الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ
خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَ
اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَ
الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

(الشعراء:75 تا82)

’’ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم نے ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی تم اور تمہارے بڑے عبادت کرتے ہیں۔ یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے ایک خداوند عالم کے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے موت دے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز حشر میری خطا معاف فرمائے گا‘‘۔

اگر آپ فرماتے کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں تو اپنے معبودوں کے متعلق ایسی بات سن کر وہ یقیناً طیش میں آجاتے اور کار دعوت ادھورا رہ جاتا۔ آپ نے کمال دانشمندی سے اسی بات کو ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ بات بھی ہوگئی اور انہیں بڑے زوردار انداز میں دعوت فکر وتدبر بھی دے دی فرمایا اللہ رب العزت کے سوا یہ سب میرے دشمن ہیں۔

جن کی بندہ زندگی بھر پوجا کرے وہ اسے ایک ذرے کا فائدہ نہ پہنچائیں۔ بلکہ بروز حشر ایندھن بن کر وہ آگ کو تیز تر کرنے کا ذریعہ بنیں۔ جو انسان کو اپنے خالق و مالک سے

دور کردیں آخر ان سے بڑا دشمن ہو بھی کون سکتا ہے۔ آپ نے یہ بات بھی فرضی انداز میں اپنی نسبت سے کہی۔ کہ اگر بالفرض میں بھی ان کی عبادت کروں تو یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میرا آسرا و سہارا اور میرا مربی و محسن میرا اللہ رب العزت ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا جو اللہ کی بندے کے ساتھ بلا کی محبتوں کا اظہار بھی کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو بھی بیان کرتی ہیں فرمایا وہی ہے میرا اللہ۔

1۔ جس نے میری تخلیق فرمائی۔

2۔ جو مجھے راہ رست دکھاتا ہے۔

3۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

4۔ میں بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

5۔ جو میری زندگی اور موت کا مالک ہے۔

بتوں کی بے بسی کے اثبات کے بعد باری تعالیٰ کی یہ حسین صفات یقیناً مدعو کے دل میں ایک انقلاب برپا کر دیتیں ہیں بشرطیکہ وہ نہ ماننے کا ہی تہیہ کیے نہ بیٹھا ہو۔

خود باطل سے اسکی گمراہی کا اقرار کروا کے حق کی ضرب سے اسے پاش پاش کرنا تو اس داعی حق کی دعوت کا ایک چمکتا ہوا اسلوب ہے۔

دوسرا منظر ملاحظہ ہو:

جب آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ لوگ بپھر گئے آپ کو بھرے مجمع میں طلب کیا۔ اور آپ سے بتوں کے توڑنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۶۷﴾ (الانبیاء:63تا67)

"بلکہ ان کے اس بڑے نے ایسا کیا ہے تو ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے جی میں سوچا پھر کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ناحق پر ہو۔ پھر اپنے سروں کو جھکا لیا (کہنے لگے) اے "ابراہیم علیہ السلام"! تم جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکیں نہ نقصان۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمہارے معبودوں پر بھی کیا تم سمجھتے نہیں؟"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اسلوب دعوت ایک داعی کو یہ سبق دیتا ہے کہ بات اس حکیمانہ اسلوب سے کی جائے کہ مدعو خود اپنی گمراہی کا اقرار کرلے اور پھر حق کی ضرب سے اسے پاش پاش کر دیا جائے۔

مثلاً کسی قادیانی کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فوراً اسے گمراہ اور کافر نہ کہا جائے ورنہ اسکی انا آڑے آ جائے گی اور وہ کبھی بھی حق کی دعوت کو قبول نہ کرے گا بلکہ پہلے کمال دانشمندی سے اس سے پوچھا جائے کہ بھئی کیا نبی کریم ﷺ کی عالمگیر رسالت تکمیل دین اور حفاظت دین کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت ہے؟ جب وہ نئے نبی کی ضرورت کا انکار کر دے تو پھر جدید نبوت کے نقصانات اور مفاسد پر گفتگو کی جائے تو امید ہے بات اس کے دل میں اتر جائے گی۔

داعیان اسلام اگر اسوہ ابراہیمی کی ان حسین راہوں کو اپنائیں تو امید ہے کہ دنیا نور اسلام سے منور ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا انداز دعوت

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہی جلیل القدر پیغمبر ہیں جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم

Marfat.com

ظاہری اور باطنی حسن کا پیکر تمام ناز و نعم میں پرورش پائی اور پھر ابتلاء کا دور شروع ہوا۔ حسد کی آگ میں جلتے بھائیوں نے کنویں میں جا پھینکا۔ وہاں سے قافلہ والوں نے نکالا۔ تو مصر کے بازار میں بیچ دیئے گئے۔ پھر عزیز مصر کے گھر پہنچ گئے۔ بظاہر تو غلام ہی تھے لیکن حسن صورت اور جمال سیرت نے اہل خانہ کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ گھر کی مالکہ تو فریفتہ ہی ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ برگزیدہ بندہ اللہ کے فضل و کرم سے ان کے جال میں نہ پھنسا۔ بجائے اس کے کہ اس پاک دامن انسان کو آنکھوں پر بٹھایا جاتا اور دلوں میں بسایا جاتا، الٹا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ ع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اتنی کڑی آزمائشوں نے دل کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کیا محبت الٰہی کی آگ یقیناً کچھ تیز تر ہی ہوگئی ہوگی۔

جیل میں آپ نے جس پیغمبرانہ شان سے اللہ کے بندوں کو دعوت توحید دی۔ اس میں قیامت تک آنے والے داعیان حق کے لیے ہدایتوں کے روشن نشان ہیں اور دعوت کے درخشاں اصول پوری تابانیوں سے جلوہ گر ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم نے ہمیشہ کے لیے اسے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ
اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ
خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ
الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا
بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ
تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ
یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ

Marfat.com

فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَشْكُرُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ
اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ
الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف: 36 تا 40)

"اور قید خانہ میں اس کے ساتھ دو اور جوان داخل ہوئے۔ (ایک دن) ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں۔ جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ ہم دیکھتے ہیں کہ تم نیک لوگوں میں سے ہو۔ یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تمہیں ملتا ہے۔ اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتاؤں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ یہ ہم پر اللہ کا فضل ہے اور سب لوگوں پر بھی۔ مگر اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہیں۔ اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا جدا جدا کئی معبود بہتر ہیں یا اللہ اکیلا زبردست۔ تم اس کے سوا نہیں عبادت کرتے مگر کچھ ناموں کی جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں اللہ نے اس کی کوئی سند نہیں اتاری۔ اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں"۔

اس میں ایک داعی کیلئے دعوت کے بہت سے اصول مضمر ہیں چند ایک ملاحظہ ہوں۔

1۔نفسیات انسانی کا خیال

پہلی بات یہ ہے کہ وہ دونوں جوان آپکے پاس ایک ایک خواب کی تعبیر پوچھنے آئے تھے۔اور اسی پس منظر میں آپ نے انہیں دعوت توحید دی۔ دراصل انسان کی یہ نفسیاتی کمزوری ہے کہ یہ جس مصیبت میں گرفتار ہو یا جن حالات سے گزر رہا ہو۔ جو بھی ان سے نکالنے میں اس کا ممد و معاون ثابت ہو یہ اس کی بات توجہ سے سنتا ہے۔ اس لیے جو بھی انسان انسانوں کا مرجع ہو۔ وہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اسوہ دعوت پر عمل پیرا ہو تو وہ دعوت کا کام بہترین طریقہ سے سرانجام دے سکتا ہے۔ مثلاً ایک طبیب اپنے مریضوں کو، ایک پیر اپنے مریدوں کو اور ایک افسر اپنے ماتحتوں کو اگر دعوت الی اللہ دے تو اس کی دعوت زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

دوسرا اگر انسان کے پاس کوئی ایسا فن یا علم ہو جو لوگوں کی پریشانیوں کو دور کرنے کا ذریعہ بن سکے تو اس سے بھی کار دعوت بطریق احسن انجام دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً دم یا تعویز کرنا۔ اگر کوئی بندہ کلام الٰہی یا شریعت اسلامیہ کے مطابق اس کام کو انجام دے تو اس کے پاس بہت سے مریض آئیں گے۔ تو وہ اگر ان مریضوں اور ان کے سرپرستوں کو دعوت الی اللہ بھی دیتا رہے تو یقیناً وہ ان کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مذکورہ قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعوت الی اللہ کا سبب ان کا علم تعبیر ہی بنا تھا۔

2۔عملی دعوت

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ تعبیر پوچھنے کے لیے آتے ہیں تو کہتے ہیں ”ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں“ ظاہر ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں کوئی مال و دولت تو نہیں تھی جسے وہ قیدیوں میں لٹاتے رہتے تھے۔ یہاں احسان سے مراد یہی ہو سکتا ہے ایک نیکوکار انسان۔ ایسا انسان جس کا حسن خلق لوگوں کو اپنا گرویدہ

Marfat.com

بنالے۔ گویا جن انسانوں کو آپ نے دعوت توحید دی وہ آپکے حسن خلق، آپکی شرافت طبع اور آپکے عادت واطوار کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ کیا داعی کو اپنا کردار اتنا اعلیٰ اور بلند رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں اسکی عزت اور حرمت کا نقش ثبت ہو جائے کیونکہ یہ بھی ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ انسان اسی کی بات کا قائل ہوتا ہے جسے وہ اپنے سے برتر اور عالی سمجھتا ہے۔ گویا قولی دعوت سے پہلے عملی دعوت بھی ضروری ہے۔ دعوت کی یہی دلیل داعی اعظم ﷺ نے سب سے پہلے دی تھی۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ (یونس:16)

''میں تم میں ایک زندگی گذار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے''۔

3۔ اطمینان مدعو

تیسری بات مدعو کو اطمینان دلانا ہے کہ آپ فکر نہ کریں آپ کے دکھوں کا مداوا ہو جائے گا۔

آپ فرض کریں ایک مریض کسی طبیب کے پاس جاتا ہے اور اپنا مرض بیان کرتا ہے طبیب کہتا ہے ٹھہریئے میں فلاں طبیب سے مشورہ کرلوں۔ تو نفسیاتی طور پر ہی مریض کا اس طبیب سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ اس لیے طبیب کو چاہیے کہ وہ ایسی گفتگو کرے۔ جو پر اعتماد ہو اور مریض کو اطمینان دلائے۔

یہی حال داعی اور مدعو کا ہونا چاہیے۔ مدعو اپنی جس بھی پریشانی کا ذکر کرے وہ اضطراب قلب ہو یا معاشی پریشانی یا اس کا تعلق فکر آخرت سے ہو۔ داعی کو اسے اطمینان دلانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے قرب اور محبت تمہارے تمام دکھوں کا مداوا کردے گی۔ بشرطیکہ بندہ اپنے آپ کو اس کے قدموں میں ڈھیر کردے۔ اسلام کے دنیاوی اور اخروی فوائد وثمرات کا ذکر بھی اس اطمینان ویقین کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ بات بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب انہوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

Marfat.com

''جو کھانا تمہیں ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتاؤں گا''

4۔ جنون دعوت

محبّ ہر حال میں محبّ ہی ہوتا ہے صبح بھی محبّ اور شام کو بھی محبّ وہ ہر وقت تصور محبوب میں ہی مگن رہتا ہے۔ داعی داعی ہی ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں داعی ہی ہوتا ہے قول میں بھی، عمل میں بھی اور حال میں بھی، وہ ہر بات سے دعوت کے نئے اسلوب ڈھونڈ لیتا ہے۔

گفتگو کسی سے ہو تیرا خیال رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ ہمیں اسی جنون دعوت کو اپنانے کی تاکید کرتا ہے۔ جب انہوں نے خواب دیکھا اور آپ سے تعبیر چاہی تو آپ نے فرمایا میں تمہیں اس کی تعبیر کھانا آنے سے پہلے بتادوں گا اور پھر فرمایا:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ (یوسف:37)

''یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے منکر ہیں''۔

آپ نے خوابوں کے تذکرہ میں ہی دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اسلوب ایسا دلکش اختیار کیا کہ اللہ کی عظمت کا نقش ان کے دلوں پر ثبت ہو جائے۔ آپ کا اسوہ بتاتا ہے کہ داعی کو یقین ہونا چاہیے کہ بندوں کے لیے سب سے بڑی مصیبت اللہ تعالیٰ کا انکار اور آخرت کی تباہی ہے۔ وہ مدعو کو بھی یہ احساس دلائے کہ تم جس پریشانی میں مبتلا ہو۔ ایک اس سے بھی بڑی پریشانی آنے والی ہے۔ اس سے بچنے کی بھی فکر کرو۔

بہر حال دعوت کا جذبہ جب تک جنون کی حد تک نہ ہو اور جب تک ایک داعی ہر حال میں داعی نہ بنے تو کار دعوت ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور دعوت کا جنون ہی مطلوبہ نتائج کا سبب

Marfat.com

بن سکتا ہے۔

5۔نعمت الٰہی کی یاد دہانی

عربی کا ایک مقولہ ہے:

الانسان عبدالاحسان

''انسان احسان کا غلام ہے''۔

جو بھی انسان پر احسان کرے۔تو انسان کے دل میں اپنے محسن کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اپنے محسن کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی اللہ رب العزت کی ہی ذات والا صفات ہے بندے کو جو بھی ملتا ہے اگر چہ بظاہر اس کا کوئی ذریعہ اور بھی ہو لیکن حقیقۃً اسے سب کچھ اسی رب جلیل کی بارگاہ سے ملتا ہے۔

اوروں کو ملا ہے تو مقدر سے ملا ہے
اور مجھ کو تو مقدر بھی تیرے در سے ملا ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی بندے میں اللہ کی بندگی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔اگر داعی مدعو کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جذبہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو مدعو یقیناً ذوق توحید سے آشنا ہو جائے گا۔اور کار دعوت اپنی منطقی انجام کو پہنچ جائے گا۔

اپنے جیل کے ساتھیوں کو دعوت توحید دیتے ہیں پہلے تو اپنے آباؤ اجداد کا تذکرہ فرمایا:

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ط

(یوسف:38)

''میں نے اپنے بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام)،اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کے مذہب کی پیروی کی ہے''۔

ان بزرگوں کے اسماء گرامی سے زمانہ واقف تھا۔آپ نے اپنے آباء کا ذکر فرمایا۔ تاکہ یہ لوگ جان جائیں کہ یہ عظیم ہستیاں بھی نور توحید کو پھیلانے کے لیے اور زمانے کو غیر اللہ کی عبادت سے روکنے کے لیے ہی تشریف لائی تھیں۔اسی سے ہمیں دعوت کے ایک اور

Marfat.com

اصول کا بھی اشارہ ملتا ہے وہ یہ کہ اگر داعی کے پاس اپنی ذات کے حوالے سے کوئی ایسا حوالہ موجود ہو جو دعوت کو زیادہ مؤثر بنا سکے تو اس موقع پر اس کا تذکرہ بھی سنت یوسفی علیہ السلام ہے۔

اور پھر آپ نے فرمایا:۔

ذٰلِكَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَيۡنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝ (یوسف:38)

''یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور سب لوگوں پر بھی مگر اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہیں''۔

یعنی اللہ کا فضل اس بات کا مقتضی ہے کہ صرف اسی کے حضور سرِ نیاز خم کیا جائے۔ کسی کو اس کی کبریائی میں شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ہر بندے کو ڈھانپے ہوئے ہے لیکن اکثر بندے اس کے شکر گزار نہیں ہیں۔ جب اس اسلوب سے دعوت توحید دی جائے گی تو مدعو یقیناً سوچے گا کہ جب میں کھاتا اس کا ہوں تو گاتا اس کا کیوں نہیں؟

4۔ عقل و دانش سے اپیل

انسان کی عقل میں جو چیز آ جائے وہ اس کو مان لیتا ہے۔

خوگر پیکر محسوس ہے انساں کی نظر (اقبال)

دعوت کے میدان میں مدعو کی عقل کو اپیل کرنا مؤثر نتائج کا ذریعہ بنتا ہے۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کی عقل کو اپیل کرتے ہیں اور انکے دل پر نقش توحید ثبت کرتے ہیں۔

ظاہر ہے اگر کسی غلام سے پوچھا جائے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا کئی آقاؤں کا۔ وہ کہے گا ایک کا۔ آپ نے ان سے اسی دل نشیں انداز میں بات کی

يٰصَاحِبَىِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۝ (یوسف:39)

"میرے جیل کے ساتھیو! کیا جدا جدا کئی خدا بہتر ہیں یا اکیلا اللہ زبردست"۔

جب عقلی طور پر بھی وہ آپ کے نظریہ کے قائل ہو گئے تو ان کے ذہنوں میں یہ سوال لازماً پیدا ہوا ہوگا کہ آخر اگر مستحق عبادت اللہ تعالیٰ ہی ہے تو آخر یہ ہمارے بت کیا ہیں۔ تو آپ نے ان کے اس سوال کا بھی جواب دیا کہ تمہارے معبود (بت) صرف نام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ اسم ہیں جن کا کوئی مسمیٰ نہیں ہے۔ یہ سب تمہارے اپنے ہی توہمات ہیں اور پھر کار دعوت کو انتہا پر پہنچا دیا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف:40)

"اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

اس حکیمانہ خطبے پر آپ جتنا بھی غور فرمائیں گے حکمت دعوت واضح سے واضح تر ہوتی چلی جائی گی۔ وہ خواب کی تعبیر پوچھنے آئے تھے اگر آپ فوراً فرماتے کہ تمہارے بت صرف نام ہیں جن کا مسمی کوئی نہیں یہ سب توہماتی چیزیں ہیں۔ تو یقینی طور پر وہ بھڑ جاتے اور آپ کی کوئی بات نہ سنتے۔

آپ نے کس کمال دانشمندی سے پہلے انہیں حوصلہ دیا۔ پھر انتہائی لطیف انداز سے گفتگو کا رخ توحید کی طرف موڑا نعمتوں کے احساس سے ان میں جذبہ بندگی پیدا کیا اور ان کے عقائد باطلہ پر ضرب کاری لگا کر دعوت توحید کو کس دلنشیں انداز سے نقطہ ارتقاء پر پہنچایا۔

دعوت وارشاد کی یہی راہیں قیامت تک آنے والے داعیان حق اور مبلغین اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسلوب دعوت

ایک داعی کے لیے سب سے محبوب چیز دعوت ہوتی ہے وہ ہر اس رکاوٹ کو پاش پاش کرتا ہے جو بھی دعوت کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ وہ اپنا مفاد، اپنی انا اور اپنے جذبات

سب کچھ راہ دعوت میں قربان کر دیتا ہے۔ وہ سراپا دعوت بن جاتا ہے اس کی ہر بات دعوت ہوتی ہے اس کا ہر قول دعوت ہوتا ہے اس کا ہر کام دعوت اور ہر عمل دعوت ہوتا ہے۔ دعوت کے یہ تمام درخشاں اصول ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت میں پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بڑی تفصیل سے متعدد مقامات پر فرمایا گیا۔ میں ان کی دعوت کے صرف چار سنہری اصول پیش کر رہا ہوں۔

1۔ دعوت میں نرمی کیجئے

مدعو مریض کی طرح ہوتا ہے اور داعی کا مرتبہ ایک طبیب اور معالج کا ہوتا ہے۔ مریض جیسے بھی درشتی سے پیش آئے معالج اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے ایسے ہی مدعو جیسا بھی رویہ اختیار کرے داعی اس کے ساتھ شفقت اور نرمی کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسا کہ طائف میں پتھر کھا کر بھی نبی کریم ﷺ نے عرض کیا "میرے مولا انہیں تباہ نہ کر شاید ان کی آنے والی نسلیں مسلمان ہو جائیں"۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس اللہ کا پیغام پہنچانے بھیجا گیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی ساتھ تھے تو اس وقت ان حق کے داعیوں کو اللہ رب العزت نے فرمایا۔

اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ﴿۴۴﴾ (طٰہٰ:43 تا44)

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پس اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے"۔

فرعون سے بڑا سرکش کون ہو سکتا ہے جو صرف خدا کی بندگی کا منکر ہی نہیں بلکہ خود خدائی کا دعویدار بھی ہے۔ اس کے پاس بھی جب حق کا داعی جاتا ہے۔ تو اسے نرمی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جب فرعون سے بھی نرمی کا حکم ہے تو اور کسی مدعو سے سختی بھلا کیسے روا ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

اور داعی اعظم ﷺ کی یہی نرمی اور شفقت ہی انہیں فاتح کائنات بنا سکی۔

کچھ ان کے خلق نے کرلی کچھ ان کے پیار نے کرلی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار نے کر لی

2۔ مدعو کو اشتعال نہ آنے دیجئے

داعی ہر قیمت پر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرے وہ کوئی بھی ایسی بات نہ کہے جس سے مدعو مشتعل ہو جائے اور کار دعوت ادھورا رہ جائے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت توحید دے رہے تھے۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کے سامنے بے بس ہو رہا تھا۔ تو اس نے ایک انتہائی اشتعال دلانے والی چال چلی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (طہ:51)

''پھر اگلی قوموں کا کیا بنے گا''۔

اس کا یہ سوال کچھ سمجھنے کے لیے نہ تھا بلکہ ایک انتہائی مکارانہ چال تھی کہ اگر خدا وہی ہے جس کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو۔ تو ہمارے آباء واجداد جو اس دنیا سے جا چکے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ اس سوال کے دو ہی جواب ہو سکتے تھے اور دونوں میں فرعون کا مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ فرماتے وہ بزرگ لوگ تھے۔ ہمارے لیے قابل احترام تھے وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ اس طرح اہل محفل کے بزرگوں کا احترام تو باقی رہتا لیکن ایک تو یہ بات خلاف واقعہ ہوتی اور دوسرا فرعون یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اگر وہ قابل احترام ہیں تو آپ ہمیں گمراہ کیوں کہہ رہے ہیں۔

یا حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس سے اہل مجلس کے جذبات بھڑک اٹھتے اور دعوت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمال دانشمندی سے ایسا جواب دیا جو خلاف واقعہ بھی نہیں لیکن جذبات کو مشتعل کرنے والا بھی نہیں تھا فرمایا۔

Marfat.com

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ (طٰہٰ:52)

''اس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے''۔

فرعون گفتگو کا رخ جس نقطہ توحید سے پھیرنا چاہتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے اس شاطرانہ سوال کا جواب دیتے ہوئے گفتگو کا رخ پھر اسی نقطہ توحید پر مرتکز کر دیا۔

دعوت داعی سے ایسی ہی حکمت اور دانشمندی کا مطالبہ کرتی ہے۔

3۔تنقید، کارِ دعوت میں رکاوٹ نہ بنے

باطل بڑا شاطر اور عیار ہوتا ہے وہ دعوت حق کو روکنے کے لیے ہر حیلہ استعمال کرتا ہے۔اور کبھی کبھی داعی کی ذات پر بے جا تنقید کر کے داعی کو اشتعال دلانا چاہتا ہے تاکہ داعی دعوت کا سلسلہ روک دے اور اپنی ذات کا دفاع شروع کرے یا لڑائی جھگڑے کا ماحول بن جائے۔لیکن داعی کو اپنی ذات سے بڑھ کر اپنی دعوت محبوب ہوتی ہے۔وہ اپنی ذات پر کی گئی تنقید یا گالی گلوچ کی کوئی پروا نہیں کرتا بلکہ پھر کار دعوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ہمیں یہی سبق دیتی ہے قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا یہ پہلو بھی اپنے سینہ میں ابد تک محفوظ کر لیا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

(الشعراء:23تا28)

''فرعون نے کہا! رب العالمین کیا ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آسمانوں اور زمین کا رب اور ان سب کا جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین لانے والے ہو فرعون نے اپنے اردگرد والوں سے کہا۔کیا تم سنتے نہیں ہو۔موسیٰ

علیہ السلام نے کہا: وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے بزرگوں کا بھی۔
فرعون نے کہا: تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے۔ موسیٰ
علیہ السلام نے کہا: مشرق ومغرب کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم
عقل رکھتے ہو"۔

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمہ میں آپ جتنا بھی غور فرمائیں گے۔ آپ پر بات واضح ہوتی جائے گی کہ داعی حق کی تمام تر توجہ صرف دعوت پر مرکوز ہوتی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رب العالمین کے آسمانوں اور زمینوں کے رب ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تو فرعون انتہائی چالاکی سے اپنے درباریوں کو یہ کہہ کر اشتعال دلانے کی کوشش کرتا ہے" کیا تم سنتے نہیں ہو" یعنی تم خاموش کیوں بیٹھے ہو اس پر گرفت کیوں نہیں کرتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف قطعاً توجہ نہ کرتے ہوئے دعوت کا کام جاری رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا بھی رب ہے۔

فرعون پھر آپ کو اشتعال دلانے کے لیے آپ کو مجنون کہہ دیتا ہے۔ لیکن آپ اپنی ذات پر اس تنقید کی قطعاً پروانہیں کرتے اور فرماتے ہیں مشرق ومغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ طرز عمل بتاتا ہے کہ داعی کے لیے اپنی ذات سے بڑھکر دعوت محبوب ہوتی ہے۔ اسے اپنی ذات پر تنقید برداشت کر لینی چاہیے۔ لیکن کار دعوت میں رکاوٹ برداشت نہیں کرنی چاہیے۔

۴۔ اپنوں کا حوصلہ شکن رویہ اور داعی

استاذ گرامی مرتبت حضور ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بندے کو ہر کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے بندہ بندے سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔ آپ ایک بندے کے ہزاروں کام کریں اس کا ایک کام نہ کریں وہ ہزاروں کاموں پر پانی پھیر دے گا۔ اور آپ سے ناراض ہو جائے گا۔ اگر آپ کا ہر کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوگا تو آپ بندوں کی تنقید کی کوئی پروانہیں

Marfat.com

کریں گے اور بے جا تنقید بھی آپکو مایوس نہیں کرے گی۔

داعی پر غیر تو تنقید کرتے ہی ہیں کبھی اپنے بھی ایسی سخت تنقید کرتے ہیں کہ بندہ ان کے رویہ سے مایوس ہو جاتا ہے لیکن داعی حق دعوت کا سارا کام صرف اور صرف اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ اور اپنوں کی تنقید بھی اسے مایوس نہیں کرتی بلکہ وہ نئے ولولوں اور جذبات سے پھر مصروف پیکار ہو جاتا ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

بنی اسرائیل قبطیوں کی غلامی میں ذلت اور نکبت کی زندگی بسر کر رہے تھے انہوں نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ وہ ان کے بیٹیوں کو قتل کر دیتے اور بیٹوں کو زندہ رکھتے تھے انہیں حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کا عزم بلند لے کر اٹھتے ہیں کبھی فرعون کو لا جواب کرتے ہیں۔ کبھی اسکے جادوگروں پر حق واضح کرتے ہیں۔ دن رات اسی مشن میں مگن رہتے ہیں کہ بنی اسرائیل اس ذلت سے چھٹکارا پائیں اور عزت وسر بلندی کی زندگی بسر کریں۔ جس قوم کی بہتری کے لیے آپ نے اپنا آرام وسکون تج دیا۔ زندگی کو خطرہ میں ڈالا، ہر قسم کی مشکلات برداشت کیں۔ وہی قوم آپ سے کہنے لگی:

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا

(الاعراف:129)

''وہ کہنے لگی ہم تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور بعد میں بھی''۔

کوئی اور ہوتا تو دلبرداشتہ ہو جاتا اس کا حوصلہ ٹوٹ جاتا، ایسی بے وفا قوم کو چھوڑ کر کہیں چلا جاتا لیکن داعی ہر موقع پر داعی ہی ہوتا ہے۔ طعن وتشنیع کا کوئی بھی تیر اس کے حوصلوں کو پست نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی جرأتوں کو مزید قوی تر کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنوں کی اس حوصلہ شکن تنقید کا جو جواب دیا اسے بھی قرآن کریم نے تا ابد اپنے سینے میں

Marfat.com

محفوظ کرلیا:

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف:129)

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا قریب ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور بجائے اس کے تمہیں اس سرزمین کا مالک بنادے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو''۔

قوم کی اس حوصلہ شکن تنقید پر بھی آپ مایوس نہیں ہوئے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتیں یاد دلائیں۔ اور انہیں یہ بھی فرمادیا کہ جب تم اس زمین کے مالک بنو گے تو یہ بھی تمہارا امتحان ہی ہوگا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اللہ کی نعمتوں کی فراوانی میں تم اسے یاد رکھتے ہو یا بھول جاتے ہو۔ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ کا جملہ کتنا ایمان افروز ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ طرز عمل قیامت تک آنے والے داعیان حق کو بتاتا ہے کہ اپنوں کی تنقید بھی تمہیں منزل سے غافل نہ کرے اور غیروں کی تو بات ہی کوئی نہیں۔

راہ حق میں کی جانے والی تنقید کو برداشت کرنا تو بندے کو نظر حق میں محبوب سے محبوب تر بنادیتا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں
(اقبال)

داعی اعظم ﷺ کا اسلوب دعوت

حضور نبی کریم ﷺ نے شرک سے بھرے ہوئے معاشرہ میں دعوت توحید کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کا عرصہ گذارا۔ اس دور میں آپ کو بے پناہ مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اہل مکہ نے آپکو خاطر خواہ طریقہ سے کام نہ کرنے دیا۔ اور آپکی راہوں میں ہر قسم کے مصائب ومشکلات کے روڑے اٹکائے۔ یہاں تک کہ آپ

Marfat.com

مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ پھر دس سال آپ ﷺ نے مدینہ میں بسر کیے۔ اگر چہ یہاں بھی بہت سی مخالفتوں کا سامنا تھا۔ لیکن آپ نے انتہائی کٹھن حالات میں بھی کار دعوت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ آپ کی دعوت عرب کے کونے کونے میں پہنچی۔ جب آپ نے وصال فرمایا تو پورا عرب زیرنگوں تھا۔ اور دیگر مما لک میں بھی آپکی دعوت کو ماننے والوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا آپکے پیروکار بڑھتے ہی گئے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک بڑھتے ہی جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین ہر اس گھر میں پہنچ جائے گا جس میں رات اور دن پہنچتے ہیں، جس میں سورج کی روشنی یا چاند کی چاندنی پہنچتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر آپکی دعوت کا وہ کیا اسلوب تھا، کہ لوگ اس کے اس قدر گرویدہ ہو گئے اور قیامت تک ہوتے ہی جائیں گے۔ آپکی پوری زندگی کا ایک ایک پل اور آپکی کتاب زیست کا ایک ایک لفظ ایک داعی کے لیے ہدایت و رہنمائی کا روشن منار ہے۔

آیئے آپکے اسلوب دعوت کے زریں اصولوں میں سے چند ایک پر غور وفکر کریں۔ اور ہر داعی کو چاہیے کہ وہ انہیں ہی مشعل راہ بنائے۔

1۔ کردار سے دعوت

ہر بندے کو اپنی رائے بڑی محبوب ہوتی ہے داعی اسے اپنی رائے کا قائل کرتا ہے۔ اور کسی رائے کو چھڑوانا آسان کام نہیں ہوتا۔ اگر داعی کے قول وفعل میں تضاد ہو، وہ کہے کچھ اور کرے۔ اور کچھ اسکی دعوت اسکے اپنے وجود پر طاری نہ ہو۔ تو ایسی دعوت صرف ایک فن یا پیشہ ہی بن کر رہ جاتی ہے۔ اور مدعو کے دلوں میں ایک انقلاب برپا کرنے سے کوسوں دور رہتی ہے۔ بلکہ ایسا داعی تو کبھی کبھی دعوت کی رسوائی کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ ایسا داعی تو۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

نبی کریم ﷺ نے جب دعوت توحید کی صدا بلند کی۔ تو آپکی آواز کی صداقت پر سب سے بڑی دلیل آپ کا ذاتی کردار تھا۔ اور منکرین ومعاندین کے سامنے یہی دلیل دی گئی۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس:16)

Marfat.com

''میں اس سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کر چکا ہوں پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے''۔

یہ آپکے کردار کی عظمت ہی تھی کہ آپکے دشمن اور شدید ترین مخالفین بھی آپکے کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ آپ نے اپنی پہلی دعوت کے وقت کوہ صفا پر کھڑے ہوکر یہی فرمایا تھا کہ لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک فوج آ رہی ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے۔ انہوں نے کہا تھا ہاں کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا۔

جو تیری جان کے دشمن ہیں وہ بھی کہتے ہیں
امین تو ہے صداقت کی آبرو تو ہے

کردار کی یہی وہ عظمت تھی جس کا اقرار ابوسفیان جیسے شدید مخالف کو بھی قیصر روم کے دربار میں کرنا پڑا تھا۔ اسی صداقت کو دیکھ کر لوگ اس نتیجہ پر پہنچے تھے جو بندوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہے۔ اسی عظمت کردار کے متعلق چند سوال کر کے قیصر روم اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا:

''جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ حق ہے تو ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوں وہ ضرور مالک بن جائے گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر میرا خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں انکی خدمت میں پہنچ سکوں گا۔ تو میں انکی ملاقات کے لیے سفر کی مشقتیں برداشت کرتا۔ کاش! میں انکی خدمت میں پہنچ سکتا اور انکے پاؤں دھوتا''۔ (صحیح بخاری، کتاب الوحی، رقم الحدیث 6)

کردار کو دعوت کی صداقت پر دلیل بنانا نبی کریم ﷺ کے اسلوب دعوت کا ایک اہم نکتہ ہے۔

2۔ اخلاق سے دعوت

دل نہ دولت سے فتح ہوتے ہیں نہ تلوار سے

نہ محتاج سلطاں نہ مرعوب سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

دل صرف اور صرف سلطان حسن سے ہی فتح ہوتے ہیں۔ اگر داعی حسن خلق کا پیکر نہ ہو تو وہ دلوں میں انقلاب کیسے برپا کرسکتا ہے؟

داعی اعظم ﷺ کے اسلوب دعوت کا ایک اہم نکتہ اخلاق سے دعوت بھی ہے۔ مدعو سے بے پناہ محبتوں کا سلوک، پتھروں کے جواب میں دعائیں دلوں کو موہ لینے والی خوئے دلنوازی اور نفرتوں کے جواب میں بے تحاشا الفتوں کا وطیرہ۔ منزل دعوت کی یہی تو وہ روشن شاہراہیں ہیں جو داعی ﷺ نے ہر داعی کے لیے متعین کی ہیں۔ قران کریم میں اسی چیز کا تذکرہ ان دلربا الفاظ میں کیا گیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:159)

"یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو۔ اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے"۔

یہ آپکے حسن خلق کا ہی اعجاز تھا کہ پتھر دل موم ہو گئے جس نے دیکھا وہی گرویدہ ہوا جو ملا وہی زلفوں کا قیدی ہوا ۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی
مسخر اس طرح دنیا شہِ ابرار نے کر لی

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کو چلے تو زمانہ انگشت بدنداں رہ گیا کہ وہ تو زندگی بھر مخالفت پے تلا رہا لیکن ان کا کرم بھی تو دیکھو۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں اسلم یومئذ الف اسی خلق محمدی کو دیکھ کر ایک ہزار منافق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

خلق کی دعوت کا ایک اور منظر بھی تاریخ میں محفوظ ہے مکہ فتح ہوا۔ جانی دشمن اور ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے والے مخالفین سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے منتظر ہیں

Marfat.com

کہ انہیں جناب رحمۃ للعالمین ﷺ نے لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا مژدہ جانفزا سنایا۔

حسن خلق کا یہی دلربا منظر ہزاروں لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا سبب بن گیا۔ زید بن سعنہ جیسا کٹر یہودی خلق سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے اسلوب دعوت کا یہ پہلو ہمیں بتاتا ہے کہ اگر حسن خلق کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو کار دعوت کبھی بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

3۔ دلیل سے دعوت

اگر کسی بندے کے دل میں کوئی اعتراض ہو، تو اسے قائل کرنے کا طریقہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کے اعتراض کا جواب دیا جائے۔ اور اسکی ذہنی تشفی کا سامان کیا جائے۔ اسکے بغیر کوئی طاقت کوئی جبر اور حسن خلق کا اعلیٰ سے اعلیٰ مظاہرہ بھی اسے مطمئن نہیں کر سکے گا۔

ہیرا درکار ہے ہیرے کا جگر کاٹنے کو (نصیر)

نبی کریم ﷺ کے اسلوب دعوت کا یہ پہلو بھی قیامت تک آنے والے داعیان حق کیلئے مشعل راہ ہے کہ آپ نے دعوت کو پھیلانے میں دلیل کی قوت سے بھی بے پناہ کام لیا۔

ردشرک میں دلوں میں اترنے جانے والے دلائل قرآن مجید کے سینے میں آج بھی محفوظ ہیں۔ جب بھی کسی کی طرف سے کوئی سوال کیا گیا بھرپور طریقہ سے اس کا جواب دیا۔ یہود و نصاریٰ نے سر جوڑ کر ایسے ایسے سوالات نکالے کہ ان کے نزدیک جن کا جواب سوائے نبی کے ممکن ہی نہیں تھا۔ روح کیا چیز ہے؟ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے کیوں؟ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟ اور اس جیسے بے شمار سوالات۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے انتہائی مستحکم بنیادوں پر ان کے تمام سوالات کو قوی دلائل سے مسترد کیا۔

زمانہ ہمیشہ ترقی کی منزلوں کی طرف گامزن رہتا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پے آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(اقبال)

Marfat.com

اگر داعی ہر دور میں نئے نئے سوالات کو دلیل کی قوت سے پاش پاش نہ کرے گا تو کار دعوت ادھورا رہے گا۔ جب یونانی فلسفہ سے اسلامی فکر متاثر ہونے لگی تو علمائے اسلام نے فلسفہ سیکھ کر اس کے اعتراضات کا ابطال کیا آج الحاد اور مغربیت کے تند و تیز حملوں میں دعوت کا کام اس وقت سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ جب ان اٹھائے ہوئے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے جائیں صرف لادینیت کہہ کے دلائل سے گریز ایک داعی حق کا طریقہ نہیں ہے۔

دلیل کی قوت کے بل بوتے پر دعوت کو وسیع سے وسیع تر کرنا بھی داعی اعظم ﷺ کے اسلوب دعوت کا ایک اہم سبق ہے۔ عقل والوں کو عقلی دلیل دو۔ نقل والوں کو نقل کی دلیل سے گھائل کرو۔ جو جیسی بھی دلیل مانگے داعی کو اس کی تشفی کرنی چاہیے۔ پیغمبر انقلاب ﷺ نے دعوت انہیں اصولوں پر پایہ تکمیل تک پہنچائی تھی۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب
(اقبال)

4۔ دعوت اور شدت احساس

اگر ماں اپنے بیٹے کو سمجھائے لیکن بیٹا اسکی نصیحت کو قبول نہ کرے بلکہ برائیوں کے جہان میں آگے ہی بڑھتا چلا جائے۔ تو ماں دل ہی دل میں کڑھتی رہتی ہے۔ وہ اسی غم میں اپنی جان کو ہلکان کر لیتی ہے کہ اس کا بیٹا اسکی نصیحت کو قبول کیوں نہیں کرتا۔

اگر داعی کو مدعو سے اس درجہ کی کامل اور شدید محبت نہ ہو تو دعوت میں کامیابی ممکن ہی نہیں ہے۔ دعوت کوئی ایک گلی سے دوسری گلی میں جانے والا عمل تو نہیں ہے کہ بندہ چاہتوں کے ساتھ جائے یا بادل نخواستہ، بہر حال وہاں پہنچ جائے گا۔ دعوت تو جبھی مؤثر ہوگی۔ جب مدعو کو ہلاکت سے بچانے کا جذبہ اس ماں سے بھی بڑھ جائے جو وہ اپنے بیٹے کے لیے رکھتی ہے کیونکہ روح کے رشتے بدن کے رشتوں سے بہت قوی ہوتے ہیں۔

دعوت کا یہ زریں اصول بھی ہمیں داعی اعظم ﷺ کے اسلوب دعوت سے ملتا ہے۔ دیکھیں! کافر تو آپ ﷺ کو شہید کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ تو اسلام کا چراغ گل کرنے کے لیے پوری طاقت جمع کر کے میدان احد تک پہنچ جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کو شہید بھی کر دیتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہو جاتے ہیں۔ اس اشتعال انگیز ماحول میں بھی نبی کریم ﷺ ان کی بربادی اور ہلاکت کی دعا نہیں فرماتے بلکہ عرض کرتے ہیں۔

"بارالہ! میری قوم کو ہدایت دے دے یہ جانتے نہیں ہیں"۔

مدعو کے لیے خیر خواہی کے احساس کی اگر شدت دیکھنی ہو تو طائف کی وادی ذہن میں لائیے حضور ﷺ مکہ سے ایک لمبا سفر طے کر کے صرف اس لیے طائف تشریف لے گئے تھے کہ طائف والوں کو دوزخ کی بھڑکتی آگ سے بچائیں اور انہیں جنت کے باغوں کا باسی بنائیں لیکن انہوں نے اس خلوص کی قدر نہ کی پھبتیاں کسیں اور پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا اور پھر پہاڑوں کا فرشتہ خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ اور پتھر مارنے والوں پر پہاڑ کا فرشتہ خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا اور پتھر مارنے والوں پر پہاڑ گرا کر انہیں پیس ڈالنے کی اجازت طلب کرنے لگا۔ لیکن حضور سید عالم ﷺ بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کناں ہوئے۔

"میرے پروردگار! انہیں ہلاک نہ کر، شاید ان کی آنے والی نسلیں مسلمان ہو جائیں"

مدعو کی اسی خیر خواہی کے بے پناہ جذبوں کا ذکر باری تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں یوں فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکہف:6)

"شاید تم انکے پیچھے غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر لو گے۔ اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے"۔

ایک اور مقام پر اسی کیفیت کو یوں بیان فرمایا گیا:

Marfat.com

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء:26)

''شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے اس پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے''۔

حضور سید عالم ﷺ کا یہ اسلوب دعوت ہمیں بتاتا ہے کہ اگر دعوت صرف ایک فن یا رسم بن کر ہی رہ جائے تو وہ مطلوبہ نتائج کبھی بھی نہیں لا سکتی۔ دعوت اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو گی جب مدعو کی خیر خواہی کا بے پناہ جذبہ دل میں موجزن ہو گا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
(اقبال)

قرآن حکیم کی مذکورہ آیات کوئی حضور نبی کریم ﷺ پر تنقید نہیں ہیں بلکہ اسی شدت احساس کا تذکرہ ہے۔ جو داعی کے دل میں مدعو کے لیے ہونا چاہیے۔

5۔ مدعو کے جذبات کی پاسداری

حضور سید عالم ﷺ کی دعوت کا ایک اہم نکتہ مدعو کے جذبات کی پاسداری ہے۔ مدعو جن عقیدتوں کو بھی دل میں لیے ہوئے ہوتا ہے وہ اسے بڑی محبوب ہوتی ہیں ایک کافر کو کم و بیش کفر اتنا ہی پیارا ہوتا ہے جتنا ایک مسلمان کو اسلام۔ اگر مدعو کے دل میں جمے ہوئے نظریات کو ٹھیس پہنچائی جائے تو کار دعوت کبھی بھی اپنی تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ مدعو کے جذبات کا احساس دراصل اپنے جذبات کی حفاظت کا امین ہے قرآن کریم میں اسی نکتہ کو یوں بیان فرمایا گیا:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام:108)

''اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں انہیں گالی نہ دو ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے''۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت میں یہ نکتہ بڑی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔

مثلاً اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ لیکن جب ایک یہودی کو ایک مسلمان نے اس لیے تھپڑ مار دیا کہ اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے افضل ہیں تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب صور پھونکے جانے کے بعد میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ (او کما قال)

ایک اور ایسے ہی موقع پر آپ نے فرمایا مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

یہ دراصل مدعو کے شدت جذبات کے پاس کی ہی ایک صورت ہے یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ من کی دنیا میں ہر کوئی دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے انہیں جذبات کا اظہار فرمایا جو ان مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے آپ کے دل میں موجزن تھے۔ لیکن وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کے تحت آپ نے دوسرے مقام پر اس حقیقت کو بھی واضح الفاظ میں بیان فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیامة
(صحیح مسلم، کتاب الفضائل رقم الحدیث 5823)

"میں بروز حشر تمام انسانیت کا سردار ہوں" ان میں کوئی تضاد نہیں بلکہ یہ دو مختلف حقیقتوں کا بیان ہے۔ بہرحال افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے مدعو کے جذبات کی پاسداری بھی داعی اعظم ﷺ کی دعوت کا ایک اہم نکتہ ہے۔

ایسے ہی غزوۂ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم پر جب مدینہ منورہ کے کچھ نوجوانوں کے دل کی کھٹک ان کی زبانوں پر آ گئی۔ تو حضور ﷺ نے وہاں جو بلاغت نبوی سے بھرپور خطبہ دیا۔ آخر میں آپ نے جو بات فرمائی وہ پہاڑوں کا دل چیر دینے والی اور پتھروں کو بھی موم کر دینے والی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"اے انصار! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے خیموں میں اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور آپ اللہ کے رسول کو لیکر واپس جائیں۔ بخدا اگر ہجرت نہ ہوتی

Marfat.com

تو میں خود انصار کا ایک فرد ہوتا۔لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں چلیں تو میں اسی گھاٹی یا وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے۔ انصار میری چادر کے اندر والا حصہ ہیں اور دوسرے لوگ چادر کے باہر والا حصہ ہیں۔اے اللہ! انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں پر رحم فرما اور انکی آنے والی نسلوں پر رحم فرما"۔

پھر وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ جو قدرتی بات تھی انصار زار و قطار رو رہے تھے انکی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں اور وہ کہہ رہے تھے:

رضینا برسول اللہ قسمة وحظا (زادالمعاد، ج ۲، ص474)

"ہم اپنی قسمت پر نازاں ہیں کہ ہمارے حصہ میں رسول اللہ ﷺ آئیں۔
جو نصیب میں آیا اس سے ہم راضی ہیں"۔

سرکار نے یہ نہیں سوچا چھوڑو انہیں، کچھ نوجوان ہی ہیں، کیا فرق پڑے گا۔آپ نے ان کے جذبات کی پاسداری فرمائی۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ اسوۂ بھی ہر وقت داعی کے ملحوظ خاطر رہنا چاہیے ورنہ عالم یہ ہی بنے گا۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی
(اقبال)

6۔ ہمہ جہتی دعوت

ہر بندہ مختلف مزاج رکھتا ہے اور کسی بھی انسان کی صداقت کو پرکھنے کے لیے ہر بندے کا طریقہ اور معیار یکساں نہیں ہوتا۔ اگر داعی ہر انسان کو ایک ہی طریقہ سے قائل کرنا چاہے گو اس کی کامیابی ناممکنات میں سے ہوگی۔ داعی کو ہر انسان کو اس کے معیار سے سمجھانا پڑے گا جبھی اس کی دعوت ثمر آور ہوگی حضور سید عالم ﷺ کا اسلوب دعوت ہمیں یہی سبق دیتا ہے۔

مشرکین مکہ ان پڑھ اور جاہل تھے۔ ایسے مزاج کے لوگ عجیب وغریب واقعات پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ اب بھی لوگوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو کسی کی صداقت کو اسی معیار پر پرکھتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے انہیں کے مطالبہ پر پتھروں کو کلمہ بھی پڑھایا اور چاند کو شق بھی کیا۔

یہود پڑھے لکھے لوگ تھے ایسے آدمی علمی نکات اور سوالات کو ہی صداقت کا معیار سمجھتا ہے۔ ان کے مطالبہ پر ان کے سوالات کے جوابات دیئے مثلاً ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟ روح کیا چیز ہے؟ بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے کیوں؟ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کیا ہے وغیرہم۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگجو اور سپہ سالار تھے وہ غزوہ بدر کی پلاننگ دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت رکانہ پہلوان تھے انہوں نے کشتی میں پچھاڑنے کو ہی صداقت کا معیار سمجھا تھا۔ انکی تشفی اسی طریقے سے کروادی گئی۔

جو فصاحت وبلاغت کے رسیا تھے انکے سامنے فصاحت وبلاغت کے دریا بہادیئے گئے

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے دہن میں زباں نہیں نہیں بلکہ بدن میں جاں نہیں

(اعلیٰ حضرت)

ایک آدمی نے کہا آپ کو رسول تب مانوں گا جب وہ درخت آکر آپکی رسالت کی گواہی دے گا تو پھر کیا ہوا؟ سرکار کے بلانے پر وہ درخت جڑوں سمیت چلتا ہوا آیا اور آپکی رسالت کی گواہی دی۔

جاء ت لدعوته الاشجار ساجدة
تمشی الیه علی ساق بلا قدم

(امام بوصیری)

ایک یہودیہ نے زہر دے کر آپ کی رسالت کو پرکھنا چاہا کہ اگر نبی ہوں گے تو زہر

Marfat.com

انہیں ہلاک نہیں کرے گا، ورنہ ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ گوشت نے خود بول کر اس راز کو فاش کیا اور اس عورت کی تشفی اسی طریقہ سے کر دی گئی۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

نبی کریم ﷺ کے اسلوب دعوت کا یہ رخ ہر داعی سے حتی الامکان ہمہ جہتی دعوت کا متقاضی ہے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کو معجزات عطا کرنے کی فلاسفی یہ بھی ہو کہ وہ کبھی ان کے تقاضا پر پہاڑ سے اونٹنی نکالیں کبھی پتھر سے پانی کے چشمے جاری کریں، کبھی مادرزاد اندھے کو بینا کر دیں اور کبھی پتھروں کو کلمہ پڑھا دیں۔ تا کہ حق ہر پہلو سے ان پر واضح ہو جائے۔

اگرچہ بظاہر یہ بات کتنی ہی عجیب لگے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کل دعوت ہمہ جہت نہ ہونے کے سبب کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو رہی ہے۔

صوفیاء کرام اسلام پھیلانے میں محض اسی لئے کامیاب ہوئے کہ انہوں نے لوگوں کو ہمہ جہتی دعوت دی اور لوگوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ انشاء اللہ العزیز صوفیاء کے انداز دعوت پر آئندہ صفحات میں بحث ہو گی۔

الناس اعداء لما جهلوا

"لوگ اس کے دشمن ہوتے ہیں جو وہ خود نہیں جانتے"۔

کی صداقت سر آنکھوں پر لیکن حضور سید عالم ﷺ کا اسلوب عوت ہم سے ہمہ جہتی دعوت کا تقاضا کرتا ہے۔

Marfat.com

صوفیاء کا اسلوب دعوت

اسلام کی دعوت وتبلیغ میں جو مؤثر اور مرکزی کردار صوفیاء کرام نے ادا کیا ہے اپنے اور بیگانے سب اس کے معترف ہیں۔ اگر یوں کہا جائے تو یقیناً درست ہوگا کہ اسلام کی نشر واشاعت کا سہرہ یا تو صوفیاء کے سر ہے یا صوفیاء کے خوشہ چینوں کے سر، تصوف کا رنگ جتنا کسی میں آتا چلا گیا۔ وہ اسلام کا اتنا ہی بڑا مبلغ بنتا چلا گیا۔ اور دلوں کو اطاعت الٰہی کی طرف پھیرنے کا ملکہ اس میں اتنا ہی بڑھتا چلا گیا۔

قبل اس کے کہ صوفیاء کے انداز دعوت سے بحث کی جائے مناسب ہوگا اگر یہ وضاحت ہو جائے کہ صوفیاء ہوتے کون ہیں۔ کیا یہ علم وادب سے بے بہرہ اور تعلیمات اسلامیہ سے ناواقف کسی گروہ کا نام ہے؟ یا علوم وفنون کے سمندران کے سامنے حروف ابجد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اسلام میں کسی خارجی اور غیر اسلامی فکر کو ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ اسلامی فکر کا پیکر تمام اور صداقت اسلام کے زندہ جاوید شواہد ہوتے ہیں۔ کیا تصوف افیون کی گولی ہے یا یقین، محکم، عمل، پیہم اور محبت فاتح عالم کا دوسرا نام؟

مشکل مباحث سے دامن بچاتے ہوئے ہمیں انتہائی آسان اسلوب میں غور کرنا ہے کہ تصوف کیا ہے؟ اور صوفی کون ہوتے ہیں؟

تصوف کی وضاحت کے لیے ہمیں مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی حدیث ”حدیث جبریل علیہ السلام“ پر غور کرنا ہوگا۔

”حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا۔ اس کے کپڑے نہایت سفید اور بال سخت سیاہ

Marfat.com

تھے۔ اس پر سفر کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا۔
یہاں تک کہ وہ نبی ﷺ کے سامنے اس طرح آ کر بیٹھ گیا کہ اس نے اپنے دونوں زانوں آپکے زانوؤں سے ملا دیئے اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے اور کہنے لگا:

''اے محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجئے'' آپ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر تو صاحب استطاعت ہو تو حج کرے'' (یہ سن کر) اس نے کہا: ''آپ نے سچ فرمایا ہے''۔ ہمیں اس کی بات سے بڑا تعجب ہوا کہ یہ سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے پھر وہ کہنے لگا مجھے ایمان کے متعلق بتائیے۔ آپ نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اسکے فرشتوں، اسکے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اللہ کی طرف سے اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے اس نے کہا آپ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا: مجھے احسان کے متعلق بتائیے'' آپ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم تو یہ سوچ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے''۔

اس نے ایک سوال قیامت اور اسکی نشانیوں کے متعلق بھی کیا۔ اس کے جانے کے بعد حضور سید عالم ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا:

فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم

''یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے''۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان رقم الحدیث۔ 1)

اس حدیث پاک میں تین چیزوں کے مجموعہ کو دین کہا گیا ہے۔ ایمان، اسلام اور احسان۔ جب ایمانیات اور انکی تفاصیل نے ایک با قاعدہ فن اور علم کی شکل اختیار کی تو علم العقائد بنا۔ جب اسلام اور اسکی تفاصیل نے ایک با قاعدہ فن اور علم کی شکل اختیار کی تو علم الاحکام کا روپ دھارا۔ اور جب احسان اور اس کی تفصیلات نے ایک با قائدہ فن اور علم کی

Marfat.com

شکل اختیار کی تو علم الاخلاص وجود میں آیا اسی کا دوسرا نام تصوف ہے اور اسی میں مشغول رہنے والے کو صوفی کہا جاتا ہے۔

تصوف دین کا ہی ایک شعبہ ہے اور دین کے تینوں شعبے آپس میں لازم وملزوم ہیں بلکہ تصوف کا مغز، مدعا اور جان ہے۔ کیونکہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ ایمانیات پر یقین رکھے لیکن عبادت نہ کرے جیسا کہ اکثر بے عمل مسلمان کرتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بندہ علم الاحکام میں مشغول ہو لیکن حقیقت دین سے دور رہے۔ جیسا کہ بے عمل فقہاء سے ممکن ہے۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندہ عبادت اس طرح کرے کہ خدا کی تجلیات اس پر آشکار ہوں لیکن وہ ایمانیات سے بے بہرہ یا علم الاحکام سے ناواقف ہو کیونکہ ایمانیات تو عمل کی بنیاد، علم الاحکام ان کا طریقہ اور تصوف ان کا مقصود اور مدعا ہے۔

گویا تصوف حقیقت دین کی دوسری تعبیر ہے کیونکہ دین کا مقصد انسان کی بہیمی خواہشات کو رضائے الٰہی کے تابع کرنا ہے دل کو تمام کدورتوں سے پاک کر کے اسے محبت الٰہی کا امین بنانا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ ''کامیاب وہی ہوا جس نے تزکیہ قلب کر لیا''۔ اور یہی چیز تصوف کا موضوع ہے۔

علم العقائد اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں کی کنہ وحقیقت، مسائل تقدیر اور رسالت کے معاملات کے متعلق بحث کرتا ہے۔ علم الاحکام اس سے بحث کرتا ہے کہ نماز کیسے پڑھنی ہے۔ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، کن سے مکروہ ہو جاتی ہے اور حج کے کیا احکام ہیں وغیرہم۔ ایسے ہی علم تصوف اس سے بحث کرتا ہے کہ انسانی خواہشات رضائے الٰہی کے تابع کیسے ہوسکتی ہیں۔ نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کے مدارج کیسے طے کر سکتا ہے۔ دل کبر، حسد، کینہ اور بغض سے کیسے پاک ہوسکتا ہے، نماز میں خضوع اور خشوع کی دولت کیسے مل سکتی ہے۔ اور انسان اخلاق حسنہ کو کیسے اپنا سکتا ہے۔

ابو علی قزوینی تصوف کی تعریف ہی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التصوف ھو الاخلاق الرفیہ

(کشف المحجوب ص 106 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

"تصوف اخلاق پسندیدہ کا نام ہے"۔

محمد علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف (ایضاً: ص 102)

"تصوف حسن خلق کا نام ہے جس کا خلق زیادہ ہو وہی تصوف میں زیادہ ہوتا ہے"۔

اس مقام پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان تصوف کی مرکزی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ "مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا گیا ہے"۔

گویا تصوف طہارت نفس اور تزکیہ باطن کا نام ہے۔ کیونکہ تزکیہ قلب اور طہارت قلب و روح کی دولت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہ کو بدرجہ اولیٰ حاصل تھی۔ اس لیے اس دور میں اس فن پر باقاعدہ کام کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی جیسا کہ علم تفسیر یا علم فقہ میں ہوا۔ لیکن بعد میں اس فن پر باقاعدہ کام کیا گیا اور اسے علم تصوف کا نام دیا گیا۔ گویا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم تصوف کی جملہ صفات کے حامل تھے اگرچہ اس وقت تصوف کی اصطلاح وضع نہ کی گئی تھی۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ صوفیاء کے پاس علم العقائد اور علم الاحکام تو ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس ان سے ایک زائد چیز بھی ہوتی ہے اور وہ علم الاخلاص یا تصوف ہوتا ہے۔ جس کے سبب ان کی بات انتہائی مؤثر ہوتی ہے اور دلوں کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ فقط علماء تو علم العقائد اور علم الاحکام پڑھ کر اپنی تعلیم کو مکمل سمجھ لیتے ہیں لیکن صوفیاء اس تعلیم کے بعد اصلاح باطن اور تزکیہ قلب کے لیے جد و جہد کرتے ہیں پڑھتے بھی ہیں اور مجاہدے بھی کرتے ہیں جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ رضی اللہ عنہ اور دیگر صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم کے احوال سے بخوبی عیاں ہے۔ علم کے بغیر تو تصوف کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ ہاں! اگر کسی صوفی نے

Marfat.com

کتابیں نہ بھی پڑھی ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے علم لدنی سے نواز دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر امی صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم کے احوال سے واضح ہے۔ بہر کیف علم کسبی ہو یا لدنی علم کے بغیر تصوف کا تصور بھی ناممکن ہے۔

حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ سیالوی کے ملفوظات شریف میں ہے:

"سید اللہ بخش نے عرض کیا سالک کے لیے کتنا علم ضروری ہے۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا: سالک کم از کم کنز الدقائق تک نصاب کو خوب سمجھتا ہو" (مرات العاشقین، ص 59)

جب سالک کے لیے کنز الدقائق تک خوب سمجھنا ضروری ہے تو اندازہ کیجئے مابعد مدراج میں کتنا علم ضروری ہوگا صوفی تکمیل تعلیم کے بعد تزکیہ نفس کی کتابیں بھی پڑھتا ہے اور مجاہدے بھی کرتا ہے صوفی میں یہی چیز ایک عام عالم سے زائد ہوتی ہے۔ حضور شمس العارفین ؒ کے سفر علم کی روداد انہیں کی زبانی سنیے:

"صاحب زادہ محمد دین صاحب نے عرض کیا جناب کا تعلیمی دور کیسے طے ہوا؟ فرمایا: بیساکھ اور جیٹھ کے دو مہینوں میں میں نے موضع میکی ڈھوک میں کریما اور نام حق کا درس لیا۔ اس کے بعد قصبہ مکھڈ شریف میں ماموں احمد دین صاحب کی خدمت میں پند نامہ عطار شروع کیا۔ حتیٰ کہ نظم کی تمام درسی کتب انہیں سے پڑھیں۔ اس کے بعد صرف، نحو اور منطق کی کتابیں مولوی محمد علی صاحب سے پڑھیں۔ تیرہ سال وہیں گزار دیئے۔ اس کے بعد دو سال موضع اخلاص میں گزارے۔ پہلے سال شرح وقایہ اور دوسرے سال مطول کو پڑھ ڈالا۔ اس کے بعد چھ ماہ کابل شہر میں رہ کر ہدایہ شریف کو پڑھا اور ساتھ ہی علم حدیث کی سند بھی لی۔ اس کے بعد تونسہ شریف میں حضرت خواجہ تونسوی کی خدمت میں رہ کر تصوف کی چند کتابیں پڑھیں جن میں خاص طور پر لوائح جامی،۔ لمعات عراقی شرح، لمعات جامی، سواء السبیل، کشکول کلیمی اور مرقع کلیمی قابل ذکر ہیں۔ (ایضاً: ص 67)

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو متعدد صوفیاء کرام کے حالات زندگی سے شواہد دیئے جاتے کہ وہ کس طرح تحصیل علم کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور پھر تزکیہ نفس اور طہارت

قلب کی طرف اس جذبہ پیہم کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان کا تعارف ان کا علم نہیں بلکہ تصوف بنتا ہے۔

حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کی فکر رسا کا نتیجہ ملاحظہ ہو:

''ہم جب اولیاء کاملین کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک قدر مشترک ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت وکمال حاصل کرتے اور اس کے بعد جادہ عشق ومحبت الٰہی پر قدم رکھتے اور اس وقت تک مصروف جہاد رہتے ہیں جب تک شاہد حقیقی ان کے شوق کی بے تابیوں پر رحم فرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کے لیے نہ کھول دیتا۔

یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید (کشف المحجوب (مقدمہ) ص 46)

تصوف کے متعلق یہ معروضات پیش کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ دعوت کے وہ جملہ طریقے جو کوئی بھی مبلغ اختیار کرتا ہے۔ حکمت، موعظہ حسنہ، جدال احسن اور نفسیاتی پرکھ، صوفی بھی یہ سارے طریقے ان کی تمام تر زیبائیوں کے ساتھ استعمال کرتا ہے لیکن صوفی کی دعوت میں چند اور چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو وسیع معنی میں تو قرآن حکیم کے اسلوب دعوت کی ہی تفسیر ہیں لیکن وہی چیز صوفی کی پہچان بن جاتی ہیں جس کے سبب اہل تصوف کی دعوت ہی ہر دور میں دلوں کی کایا پلٹ سکی۔ یہ چیزیں دراصل وراثت نبوت میں سے ہیں جنہیں صرف اور صرف علماء ربانیین یا اہل تصوف ہی پاتے ہیں:

صوفیاء کے اسلوب دعوت میں جو چیزیں بڑی شدت سے نظر آتی ہیں ان میں سے چند چیزیں یہ ہیں:

1۔ حسن کردار

صوفیاء کرام ہی دراصل وراثت نبوت کے امین ہوتے ہیں کیونکہ یہی لوگ علماء ربانیین ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اسلوب دعوت میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کی دعوت پھیلنے کا ایک بڑا سبب آپ کا حسن کردار اور خلق حسن ہی تھا۔

کچھ ان کے خلق نے کرلی کچھ ان کے پیار نے کرلی
مسخر اس طرح دنیا شہ ابرار ﷺ نے کر لی

صوفیاء کرام کی ذوات قدسیہ بھی اسی کردار نبوی کی مظہر اور اسی خلق نبوی کا عکس جمیل ہوتی ہیں۔ ان کی دعوت میں بھی حسن کردار اور خلق حسن ایک مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ صوفیاء کی زندگی شاہد ہے کہ وہ بحث و تکرار سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں۔ ان کا کردار ہی انکے دعوے کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔

توضیح مطلب کے لیے چند مثالیں ملاحظہ ہوں لاہور کی ظلمتوں میں توحید کا چراغ روشن کرنے والے حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کا یہ نکتہ ملاحظہ ہو:

"جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ جب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو ہندو راجہ جے سنگھ کے سپاہی گئے اور شکایت کی کہ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ایک زبردست سیاسی شخصیت بنتے جا رہے ہیں۔ آپ اس کی طرف توجہ دیں چنانچہ راجہ جے سنگھ نے سلطان مسعود غزنوی سے اس کا ذکر کیا تو اس نے یہ بات سن کر ٹال دی اور کہا کہ آپ ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ ان کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے بھاٹی دروازہ کو ہجویری دروازہ کہنا شروع کر دیا۔ بھٹی راجپوتوں نے اس کا برا منایا اور انہوں نے بھاٹی دروازہ کا نام جے سنگھ دروازہ رکھ دیا۔ جب سید علی ہجویری کو اسکی اطلاع ملی تو انہوں نے دونوں قوموں کے عمائدین کو بلایا اور کہا کہ نام بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ دلوں میں انقلاب نہ آئے۔ پھر کہا کہ آپ لوگ جو بھی نام رکھیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ اگر بھاٹی دروازہ ہی نام رہے تو اچھا ہے۔ راجہ جے سنگھ آپکے فیصلے اور کردار سے بہت متاثر ہوا اور اسلام قبول کرلیا۔ اور عرض کی کہ اس کا نام ہجویری دروازہ رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ ہجویری کی نسبت بھٹی قوم کا اس دروازے پر زیادہ حق ہے۔ جو یہاں صدیوں سے آباد ہے۔ جسٹس امیر علی نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد تقریباً ایک ماہ کے اندر ساری بھٹی

قوم حلقہ بگوش اسلام ہوگئی''۔

(سوانح حیات سیدنا علی بن عثمان ہجویری از مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری، ص، 45)

حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی کا یہ انداز دعوت بھی ملاحظہ ہو:

حضور شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے:

''آپ کسی کا دل آزردہ نہ فرماتے تھے۔ استاذی المکرّم مولانا اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا فخر جہاں صاحب کی ایک کرامت میں بھی خوب جانتا ہوں وہ یہ کہ اس وقت لوگ شیعہ بھی بہت تھے جو آپکے غلاموں کی کثرت سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپکے غلام کم ہو جائیں اور لوگ آپ سے متنفر ہوں اس وجہ سے ایک طوائف کو تیار کیا کہ جب آپ عصر کی نماز کے لیے شاہی مسجد میں تشریف لے چلیں تو یہ کھوٹہ روپیہ ان کے سامنے آکر پیش کرنا اور کہنا کہ مولانا یہ روپیہ جو آپ نے مجھے رات دیا تھا کھوٹا تھا کم از کم دیکھ کر تو دیتے۔ شیعہ لوگوں نے یہ موقعہ اس لیے مقرر کیا تھا کہ اس وقت شاہی مسجد کے آس پاس والے بازار اور سیڑھیاں آپ کی زیارت کے لیے بھر جاتی تھیں۔ لہٰذا یہ طوائف دیکھ کر اور اس کا بہتان سن کر لوگ متنفر ہو جائیں گے۔ اس طوائف کو بہت رقم دے کر تیار کیا گیا تھا۔ چنانچہ جب فاحشہ عورت نے اتنے بڑے ہجوم میں کھوٹا روپیہ نکال کر مذکورہ الفاظ کہے تو آپ نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر فرمایا یہ کھرا لے لے۔ رات تھی معلوم نہیں ہوا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فاحشہ عورت آپ کے قدموں میں گر گئی۔ معافی مانگی اور بتایا کہ مجھے ان لوگوں نے بہکایا تھا۔ آپ کی غلام بن گئی۔ (انوار قمریہ: ص 218)

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا حسن کردار ہی لوگوں کے دلوں پر اسلام کی عظمت کا نقش ثبت کرتا چلا گیا (دہلی میں) ایک ہندو نوجوان خفیہ طور پر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کے ارادہ سے ایک چھری بغل میں لیکر آپ کی مجلس میں آیا وار کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا کہ آپ نے معاً اس کی طرف دیکھ کر فرمایا'' بھائی اپنا کام کر جھجکتا کیوں

Marfat.com

ہے'' آپ کے الفاظ خنجر بن کر اس نوجوان کے سینے میں پیوست ہوگئے اسی وقت قدموں میں گر پڑا۔ عفو تقصیر کا خواستگار ہوا اور پھر مشرف باسلام ہوگیا''۔

(حضرت خواجہ اجمیری ص 101)

ہمہ جہتی دعوت

ہر مخاطب صرف علمی دلیل سے ہی قائل نہیں ہوتا بلکہ حق کو پرکھنے کا ہر ایک کا انداز اور معیار مختلف ہوتا ہے۔ کوئی دلیل چاہتا ہے اور کسی خرق عادت چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو دونوں طاقتیں عطا فرما کر دنیا میں بھیجتا ہے۔ دلیل بھی اور معجزات بھی کیونکہ کچھ لوگ صداقت کا معیار صرف اسی کو سمجھتے ہیں کہ پتھر کلمہ پڑھ لیں یا درخت آکر رسالت کی گواہی دے دیں اور در نبوت سے دونوں کے دامن بھرے جاتے ہیں۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

انہیں پیغمبرانہ عظمتوں کے وارث صرف صوفیاء کرام ہی ہوتے ہیں وہ بھی مدعو کی نفسیات کے مطابق دعوت دیتے ہیں اس نعمت سے محروم لوگ اس حقیقت سے لاکھ انکار کریں۔ وہ اسے تو ہم پرستی کہیں یا کوئی اور نام دیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر داعی کو وراثت نبوت میں سے اس چیز سے بھی کچھ حصہ مل جائے۔ تو دعوت بہت ہی مؤثر اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کبھی دعوت کی صداقت صرف اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہیں انہوں نے اپنے خشک فلسفہ سے چند دماغوں کو اپنا قائل تو ضرور کر لیا ہے۔ لیکن دلوں کو قائل کرنا اور مئے لا الہ کے نشہ سے مست کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔ داعی کو اگر یہ نعمت بھی مل جائے تو کار دعوت اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔

بلاشبہ صوفیاء کرام ہی اس نعمت کے امین ہوتے ہیں اور یہاں اس زاویہ سے دعوت دینی

پڑے تو صوفیاء کرام کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔ تاریخ کے جھروکوں سے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"ایک دن حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ راوی کے کنارے اپنی رہائش گاہ پر بیٹھے تھے۔ ایک غیر مسلم عورت دودھ کا مٹکا اٹھائے ادھر سے گذری۔ آنجناب نے دودھ کا ایک پیالہ طلب کیا۔ تو اس عورت نے بتایا کہ وہ یہ دودھ ایک جوگی کے لیے لے جا رہی ہے: اگر اس نے اس جوگی کو دودھ نہ دیا تو اس کی گائے کے تھنوں میں دودھ لہو بن جائے گا۔ آپ نے اس کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ عورت گھر پہنچی اور جب شام کو دودھ دوہنا شروع کیا تو جانور کے تھنوں میں دودھ ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ گھر کے سارے برتن بھر گئے اور دودھ کا خروج جاری رہا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ عورت واپس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مع دودھ حاضر ہوئی اور حقیقت حال بتائی اس پر آپ نے تبسم فرمایا اور دودھ لے کر پیا تو اس وقت جانور کے تھنوں سے دودھ کا خروج بند ہوا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر تمام گوالے دور ونزدیک سے دودھ بجائے جوگی کے پاس لانے کے آپ کے پاس لانے لگے۔ اس پر جوگی متفکر ہوا اور غصہ کے عالم میں اپنے چیلے کو صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن وہ واپس نہ آیا تو اس نے اپنے دوسرے چیلے کو بھیجا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی چیلے بھیجے مگر کوئی بھی واپس نہ آیا۔ بالآخر خود آپکے پاس گیا۔ دیکھا تو تمام چیلے چانٹے آپ کے پاس جمع ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا للکار کر کہا: اے فقیر: اگر تجھ میں کوئی کمال ہے تو دکھا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: جو تمہارے پاس ہے تم دکھاؤ۔ اتنا سننا تھا کہ جوگی ہوا میں اڑنے لگا اور جب وہ بلندی پر پہنچ گیا۔ تو حضرت نے اپنے جوتے ہوا میں پھینک دیئے اور کہا کہ جاؤ جوگی کو واپس لے آؤ۔ جوتے اوپر جا کر جوگی کے سر پے پڑنے لگے۔ جس کی وجہ سے مجبوراً اس کو واپس سطح زمین پر آنا پڑا۔ اور آپ کے قدموں میں گر گیا اور اپنے تمام چیلے چانٹوں سمیت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یہ خوش نصیب جوگی رائے راجو تھا۔ جو آپ کے ہاتھوں اسلام لانے کے بعد شیخ ہندی کے لقب سے ممتاز ہوا اور آپ کی خدمت کرتا رہا۔ اور آپ نے اسکی ظاہری اور

Marfat.com

درمیان حائل خلیجوں کو پاٹ دیا ہے۔ اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کو خدا کا کنبہ بنا دیا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی ساری مخلوقات اس کا کنبہ ہے اور خدا کو وہی سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے۔

داؤد آپسن (انگلستان)

عظیم صحافی جناب داؤد آپسن کو اسلام کے کس خوبصورت پہلو نے متاثر کیا۔ وہ بڑا ہی عجیب اور دلچسپ ہے انہوں نے علامہ اقبال کو اپنے قبول اسلام کا سبب بتاتے ہوئے کہا:

"میرے مسلمان ہونے کا قصہ نہایت ہی عجیب ہے۔ اگر میں عرض کروں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ میرا اسلام کے متعلق کوئی مطالعہ نہیں تھا۔ نہ مجھے کسی مسلمان عالم وفاضل کی صحبت میسر آئی تھی کہ مجھ پر اسلام کی خوبیاں منکشف ہوتیں۔ میں انگلستان سے آیا اور بمبئی میں رہنے لگا۔ ہندوستان میں میرے سب سے پہلے دوست وہ لوگ تھے جو سیاسی تحریکات سے وابستہ تھے۔ بمبئی کے مذہبی حلقوں سے نہ میرا تعارف تھا نہ تعلق۔ جب میں نے ملکی سیاسی تحریکات میں حصہ لینا شروع کیا تو بعض مقامی مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی اور میں ان کے ہاں آنے جانے لگا ایک مرتبہ ایک معزز مسلمان نے مجھے کھانے پر بلایا اس وقت جو چیزیں میرے سامنے لائی گئیں۔ ان میں ایک پلاؤ بھی تھا۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ میری زبان اس بہشتی نعمت سے لذت اندوز ہوئی میں پلاؤ کھا رہا تھا، مسحور ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ غور کر رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس قوم کا مذاق کھانے کے معاملہ میں اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے دین اور روحانیت کے معاملہ میں اس کا معیار کتنا کچھ پاکیزہ اور لطیف نہیں ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہ کسی ملا نے مسلمان کیا ہے اور نہ کسی صوفی نے۔ میں تو حضرت پلاؤ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب! میں نے پلاؤ کی رکابی کے سامنے بیٹھ کر مسلمانوں کی خوش مذاقی اور اسلام کی لطافت کا جو اندازہ کیا تھا بعد کے مطالعہ اسلام سے وہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ میں نے دیکھا کہ زندگی کے ہر ایک میدان میں اسلام صرف بلندی اور برتری کا علمبردار ہے۔

Marfat.com

اسلام کی سلطنت میں کہیں بھی بدمذاقی اور پستی نہیں ہے۔ جس قدر اسلام کی عبادت بلند ہے۔ اسی قدر اسلام کی تہذیب بھی بلند ہے۔ جس قدر اسلام کے طعام ولباس بلند ہیں اسی قدر اسلام کے اعمال واخلاق کی روایات بلند ہیں۔ میرے نزدیک کسی شخص کے قبول اسلام کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری دنیا سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کی زندگی میں جس قدر بھی اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے عملوں سے اونچے ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر عمر رولف اہرنفلس (آسٹریا)

اس مذہب کے وہ اصول جنہوں نے مجھے متاثر کیا مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ سارے انبیاء ایک ہی پیغام لے کر آتے رہے ہیں۔ روشنی کا منبع ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔ اور ہر نبی نے انسانیت کی فلاح اور آخرت کی کامیابی کے لیے ایک ہی پروگرام پیش کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خالق کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

2۔ اسلام تاریخی اعتبار سے سارے مذاہب کی آخری اور مکمل ترین صورت ہے۔

3۔ حضرت محمد ﷺ آخری نبی تھے۔ ان کے کارنامے اپنی کوئی مثال نہیں رکھتے۔ لیکن ان کارناموں کو مافوق الفطری صورت نہیں دی جاسکتی۔ یہ تاریخ کے بہاؤ کے ساتھ چل کر سامنے آئے ہیں اور عقل ان کی تصدیق کرتی ہے۔

4۔ جب کسی پرانے مذہب کا فرد اسلام قبول کرتا ہے۔ تو دراصل وہ اپنے مذہب کی کسی سچائی کی نفی نہیں کرتا۔ قرآن کے مطابق سارے مذاہب کی بنیاد ایک ہے بعد میں انسانوں نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا۔

5۔ اسلام اخوت اور انسانی بھائی چارے پر زور دیتا ہے۔ وہ مساوات کا علمبردار ہے۔ اور کسی نسلی، لسانی یا جغرافیائی تفریق کا قائل نہیں یہاں بڑائی کا معیار صرف ایک ہے اور وہ تقویٰ ہے۔

6۔ اسلام کی ایک اور خصوصیت اس کا انسانیت کے لیے سراپا رحمت وشفقت ہونا ہے۔ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی صفات میں الرحمٰن اور الرحیم بھی شامل ہیں یہ دونوں نام لفظ رحم سے مشتق ہیں۔ جو اس حصہ جسم کے لیے بولا جاتا ہے جہاں بچہ پیدائش سے قبل مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور اسکی نسبت سے اسلام نوع انسان کے لیے مجسمہ محبت و کرم ہے۔ یہی وہ روح ہے جو مسجد ایا صوفیہ اور مسجد محمد فاتح کے میناروں اور گنبدوں میں نظر آتی ہے اور ایسی روح کا اظہار حضرت محمد ﷺ کے اس قول مبارک سے ہوتا ہے کہ ”جنت ماں کے قدموں تلے ہے“۔

علامہ محمد اسد (پولینڈ) (سابق لیوپولڈ ویس)

”اسلام میرے سامنے مذہب کے ایک رواجی اور اصطلاحی مفہوم سے زیادہ زندگی کا ایک نظام بن کر آیا وہ مجھے لاہوتی نظام سے زیادہ شخصی اور اجتماعی سلوک کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل معلوم ہوا۔ جس کی بنیاد خدا کی یاد پر تھی۔ میں نے قرآن میں کسی جگہ چھٹکارے کا تصور نہیں دیکھا۔ وہاں کوئی پہلا موروثی گناہ بھی نہیں تھا جو انسان اور اسکی تقدیر کے درمیان حائل ہو گیا ہو وہاں تو تھا لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی۔ ”یعنی انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا“۔ وہ کسی کی رہبانیت اور فطرت کشی کا بھی طالب نہیں تھا۔ جس کی ذریعے طہارت اور تقدس کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جاتا ہو۔ اسی لیے کہ اس کے نزدیک طہارت اور پاکیزگی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اور گناہ صرف انسان کی ایجابی فطرت کی ایک لغزش ہے۔ وہاں فطرت انسانی کی کوئی تقسیم نہیں ملتی اس لیے کہ اسکے نزدیک روح اور جسم مل کر ایک صحیح اور مکمل یونٹ بناتے ہیں۔

ابتداء میں میں یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ قرآن زندگی کے بعض بظاہر حقیر شعبوں کا ذکر بھی اہتمام سے کرتا ہے۔ لیکن بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ظاہر ہے اگر انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے تو پھر اسکی زندگی کے کسی شعبے اور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کو دین کے دائرۂ عمل سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن ایک لمحہ کے لیے بھی یہ فراموش کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ دنیا بہر حال انسان کی ترقی

Marfat.com

کے سفر کا ایک مرحلہ ہے۔اس سفر کی آخری منزل روحانی ترقی ہے مادی خوشحالی قرآن کے نزدیک مستحسن اور مستحب ہے مگر بذات خود مقصود نہیں اس لیے انسان کی نفسانی خواہشات کو ان کی اہمیت وضرورت کے باوجود اخلاقی حسن کے مقابلے میں دبایا جاسکتا ہے اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ اخلاقی حسن صرف خدا اور بندے کے مابین ہی محدود نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے باہمی تعلقات تک وسیع ہونا چاہیے۔اس کا مقصد صرف فرد کی روحانی تکمیل نہ ہو بلکہ سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کرنا بھی اس کا مقصود ہے۔جو دوسرے انسانوں کی روحانی ترقّی اور نشو ونما کے لیے سازگار ماحول اور فضا پیدا کریں۔جس کے سائے میں مکمل اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ روحانی مسائل کے سلسلے میں قرآن کا طریقہ عہد قدیم کے طریقوں سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ یہاں کسی خاص قوم کی پاسداری نہیں۔ مادی مسائل میں اس کا طریقہ عہد جدید کے برعکس بہت زیادہ ایجابی ہے۔روح اور جسم اس کی نظر میں انسانی زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جو یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

محمد سلیمان ٹاکنچی (جاپان)

خدا کے فضل سے میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔میرے قبول اسلام کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔میں نے اسلام میں اخوت کا ایسا نظام دیکھا جو مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔

2۔اسلام انسانی زندگی کے مسائل کا بڑا کامیاب عملی حل پیش کرتا ہے یہ عبادات کو اسلام کی سماجی زندگی سے الگ نہیں کرتا، بلکہ مسلمان تو اجتماعی عبادت کا تصور رکھتے ہیں۔(یعنی نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں) اور خلق خدا کی خدمت رضائے الٰہی سمجھ کر کرتے ہیں۔

3۔اسلام انسانی زندگی میں مادیت اور روحانیت کا خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے۔

ڈاکٹر ہارون مصطفٰے لیون

مجھے اسلام کی تعلیمات کے جس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور جو مجھے بالآخر

Marfat.com

اس مقدس حلقے میں کھینچ لایا وہ انسانی عقل کا احترام ہے۔ اسلام زندگی کے اس شعبے یعنی عقل یا غور وفکر کو ضروری اہمیت دیتا ہے۔ اور اپنے پیروکاروں سے اندھی عقیدت اور جاہلانہ پرستش کا ہرگز مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے برعکس عیسائیت سمیت دیگر سارے ادیان اپنے ماننے والوں سے توقع رکھتے ہیں کہ بلاسوچے سمجھے اور عقل کو درمیان میں لائے بغیر آنکھیں بند کر کے "چرچ" کی اطاعت کی جائے اسلام ہر شخص کو دعوت عام دیتا ہے کہ اس کے حلقے میں داخل ہونے سے پہلے وہ عقل کو پوری طرح بروئے کار لا کر تحقیق تجسس اور جستجو کے سارے تقاضے پورے کرے پیغمبر اسلام ﷺ نے عقل کی اہمیت یوں واضح فرمائی ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز عقل سے زیادہ قیمتی پیدا نہیں فرمائی۔ زندگی میں جتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ عقل ہی کا نتیجہ ہیں بصیرت وحکمت اور سمجھ بوجھ جیسی نعمتیں بھی عقل ہی کی پیداوار ہیں۔

عائشہ برجٹ ہنی (انگلستان)

مجھ سے اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے کی بڑی وجوہات کیا تھیں۔ اس سوال کا جواب اتنا آسان نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی مثال جیومیٹری کے ایک ایسے نقشے کی ہے جس کا ہر جزو دوسرے جزو کی تکمیل کرتا ہے اور نقشے کا اصلی حسن تمام اجزاء کے تناسب اور ربط وتعلق میں ہوتا ہے اسلام کی یہی وہ خصوصیت ہے جو انسان پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی ہے ذرا فاصلے سے دیکھیں تو انسانی ارادوں، مقاصد، اعمال اور تمام اشیاء کی عمومیت میں اسلام گہری بصیرت کا ثبوت دیتا ہوا نظر آتا ہے اس کے سیاسی اور حکومتی نظام کا مطالعہ کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اگر سماجی وانفرادی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ سچی اخلاقیات کی مشعل لیے ایک ایک پہلو میں زندگی کی صاف اور سیدھی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرتا ہوا دکھائی دے گا اور ان معاملات میں دنیا کا کوئی اور مذہب یا نظام اس سے لگا نہیں کھاتا۔ مسلمان جب بھی کوئی کام کرتا ہے اللہ کا نام لیتا ہے، جب اللہ کا نام لیتا ہے تو اس

حوالے سے اپنا احتساب بھی کرتا ہے اور یوں وہ بہت اونچے معیار کو پالیتا ہے۔ اس طرح روزمرہ زندگی اور مذہبی تقاضوں میں کوئی بعد باقی نہیں رہتا، بلکہ دونوں میں ایک متناسب سا تعلق ہو جاتا ہے جو متوازن بھی ہوتا ہے اور دونوں کے لیے بے حد ضروری بھی:

محمد امان (جرمنی)

اسلام کے بنیادی اصول اس قدر معقول، فطری اور جاذب توجہ ہیں۔ کہ کوئی طالب صداقت ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً توحید کو لیجئے اس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اول: انسان ماسوی کی غلامی سے نکل جاتا ہے۔

دوم: توہمات سے بچ جاتا ہے۔

سوم: نوع انسانی کو مساوات واخوت کی ایک محکم اساس مل جاتی ہے۔

اسی طرح آخرت کا عقیدہ اور یہ تصور کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ انسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔ اسلام کی صلوٰۃ باقاعدگی سکھاتی ہے۔ اور صوم ضبط نفس کا درس دیتا ہے کون نہیں جانتا کہ باقاعدگی اور ضبط، عظیم وصالح افراد کی صفات ہیں۔

میں نے کمیونزم، نازی اور جمہوریت کا بھی مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک باوقار اور شریفانہ زندگی کے اصول صرف اسلام میں ملتے ہیں۔

کرنل ڈانلڈ راک ویل

"میں اسلام کی سادگی، مساجد کی مقدس فضا اور پانچ وقت کی عبادت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ اسلام میں کچھ اور خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً

ا۔ یہ پہلے انبیاء وصحائف کا مداح ہے۔

ب۔ اس نے خواتین کو حق جائیداد دیا۔

ج۔ انسان کو افراط وتفریط سے بچایا۔

د۔ شراب وقمار اور سود سے روکا۔

Marfat.com

ہ۔ صحیح جمہوریت کا سبق دیا۔

و۔ غریب کو امیر کا ہم مرتبہ بنایا۔ رنگ اور نسل کے امتیازات ختم کیے۔

ز۔ تمام مابینی واسطے ہٹا کر انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے قائم کیا۔

مریم جمیلہ

''میں نے اس لیے اسلام قبول نہیں کیا۔ کہ مجھے آبائی مذہب سے نفرت تھی۔ بلکہ اس لیے کہ مجھے کمال سے محبت تھی۔ یہودیت ایک محدود اور تنگ معاشرہ ہے اور اسلام ایک ہمہ گیر آفاقی مذہب۔ میں نے لامحدود کو محدود پر ترجیح دی۔

میوس۔ بی۔ جالی

میں اسلام کی چند باتوں سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔

اول: ایک خدا کا تصور

دوم: تعدد ازواج۔ پچھلی دو جنگوں میں کروڑوں مرد ہلاک ہو گئے تھے اور کروڑوں لڑکیاں بے نکاح رہ گئی تھیں۔ چونکہ عیسائیت میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں۔ اس لیے سارا یورپ جنسی بے راہ روی کی گرفت میں آ گیا۔ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے۔ جو ایسے حالات میں کثرت ازواج کی اجازت دیتا ہے۔

سوم: قرآن نے ایک ایسا نظام حیات پیش کیا ہے۔ جس سے بہتر تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپ کو کسی اور نظام میں کوئی خوبی نظر آتی ہے تو یقین کیجئے کہ اس کا ماخذ اسلام ہی ہے۔

تھامس کلسیٹن محمد

ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ کسی اسلامی ملک میں گیا۔ وہاں ایک دن ہم کسی گاؤں میں گھوم رہے تھے کہ ''اللہ اکبر'' ''اللہ اکبر'' کی صدا ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔ ہم وہیں رک گئے۔ دیکھا کہ ہر گھر اور ہر گلی سے لوگ عبادت گاہ کی طرف جا رہے

ہیں۔انہوں نے صفیں باندھیں۔امیر،غریب،حاکم محکوم،عالم،تاجر،سیاہ اور سفید کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوئے۔وہ کئی بار سجدے میں گرے۔آخر میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور پھر اللہ کے نام کا ورد کرتے ہوئے مسجد سے باہر نکل گئے۔میں اس منظر سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام کے متعلق سوچنے لگا۔اور چند ماہ بعد مسلمان ہو گیا۔

بی کارے۔فاروق

''قرآن کا گجراتی ترجمہ پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ صرف یہی کتاب انسانی اخوت، مساوات، محبت، رحم، عدل اور انسانیت کبریٰ کا درس دیتی ہے۔اور مسلمان اس کتاب کی وجہ سے دنیا میں ہمیشہ باقی رہیں گے۔

ارک سن۔محمود

اسلامی تعلیمات مبنی بر عقل ہیں۔قرآن جا بجا دلائل سے کام لیتا ہے۔اور اپنے پیروؤں کو تفکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔اسلام تمام کائنات کا مذہب ہے۔یہ خدا کو صرف خدائے اسلام نہیں بلکہ رب العالمین سمجھتا ہے۔

نومسلموں کے تاثرات اور دعوت کی دلکش راہیں

نومسلموں کے مذکورہ تاثرات یا ان کے اسلام قبول کرنے کے اسباب پروفیسر عبدالغنی فاروق کی مرتب کردہ کتاب ''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''رمز ایمان'' سے نقل کئے گئے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی ''اسلام آور چائس'' سے درج کیے ہیں انہیں بغور پڑھنے سے اور اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتب کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جو چیزیں غیر مسلموں کے لیے خصوصی کشش رکھتی ہیں جنہیں دیکھ کر غیر مسلم اسلام کی عظمتوں کے قائل ہو جاتے ہیں۔ایک حق کے داعی کو بالخصوص اور ہر مسلمان کو بالعموم جن پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔اسلام کا خالص اور سادہ نظریہ توحید جو تثلیث کے گورکھ دھندوں اور چیستانوں سے قطعاً

Marfat.com

مختلف ہے۔

2۔اسلامی تعلیمات کا عقل اور فطرت کے عین مطابق ہونا۔

3۔تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا اور ان کے احترام کا فرض ہونا۔

4۔پاپائیت کا انکار اور ہر انسان کا خدا سے براہ راست مخاطب ہونے کا نظریہ۔

5۔عورت کے حقوق کی مکمل پاسداری اور ان کی مکمل تعظیم وتکریم

6۔اذان کی دلکش آواز اور باجماعت نمازوں کا حسین منظر

7۔مسلمانوں کا عمل وکردار اور ذات الٰہی پر توکل۔

8۔امت مسلمہ کا حسن اخلاق، کیونکہ ہر مسلمان اسلام کا سفیر ہوتا ہے

9۔رنگ، نسل، زبان اور علاقے کے تمام امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر نظریہ اخوت

10۔اسلام کا یہ خوبصورت نظریہ کہ مادی ترقی روحانی ترقی کے منافی نہیں۔

11۔قرآن حکیم کا معجزانہ اسلوب اور دلوں میں اتر جانے والا انداز بیان اور اسلام پر عمل پیرا ہونا دونوں جہانوں میں امن اور سکون کا امین بناتا ہے۔

12۔نشہ آور چیزوں کی حرمت

13۔نظام زکوٰۃ، نظام وراثت، جارحیت پر مبنی جنگوں کی ممانعت حرمت سود اور تعدد ازواج

14۔اعلیٰ تہذیبی اقدار اور ذوق لطیف

15۔انسان پیدائشی گنہگار نہیں بلکہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے کا عقیدہ

اگر دعوت میں ان بنیادوں پر مرکزی توجہ مرکوز کی جائے تو فریضہ دعوت ثمر آور ہو سکتا ہے اور داعی کو گوہر مراد مل سکتا ہے۔ ہر داعی کو ان امور میں مسلسل جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبال)

Marfat.com

عصر حاضر کی دعوتی سرگرمیوں کا ایک جائزہ

مادیت پرستی اور خودغرضی سے بھرپور ان معاشروں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے نیک بندے اب بھی موجود ہیں جو خدا سے دور بھاگنے والے بندوں کو نشۂ توحید سے مست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصد وحید ہی دعوت الی اللہ بنا رکھا ہے۔ جو رات دن اسی لگن میں دھن رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین اس کے بندوں تک پہنچ جائے۔ ایسے ہی لوگ خدا کو مطلوب ہیں اور انہیں کے صدقہ میں نظام کائنات چل رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں ایسے ہی لوگ زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں۔

آج جب کہ مسلمان سیاسی طور پر بالکل کمزور ہو چکے ہیں۔ دین سے دوری کے سبب انہیں ظلم وستم کے شکنجوں میں کسا جا رہا ہے۔ عالم کفر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ انہیں بے دست و پر کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ان سنگین حالات میں بھی اسلام کا نور پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ جیسے اسلام دشمن ملک میں بھی لوگ بڑی تیزی سے اسلام قبول کر رہے ہیں یہ صرف اور صرف اسی دعوت کا نتیجہ ہے۔ جس کی انجام دہی کا فریضہ کچھ اللہ کے بندے بڑی جانفشانی سے سرانجام دے رہے ہیں۔

مسلم معاشروں میں بھی متعدد طریقوں سے دعوت کا کام جاری ہے اور غیر مسلم معاشروں میں بھی یہ کام بڑے زور شور سے انجام دیا جا رہا ہے۔

ان تمام ترحقیقتوں کے باوجود ہماری دعوت میں اکثر کچھ ایسی خامیاں پائی جاتی ہیں، جو دعوت کو اس کے ہمہ گیر مقاصد سے دور لے جاتی ہیں۔ اگر دعوت کی ان خامیوں کو دور کر دیا جائے تو کار دعوت اپنی تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ دعوت کے جن نقائص کو دور کرنے کی

Marfat.com

ضرورت ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1۔ جزوی دعوت

اسلام ایک کل ہے اور انسان کی پوری زندگی اس کے اجزا پر مشتمل ہے۔ دین کسی مخصوص شعبہ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارنے کا نام ہی نہیں بلکہ پوری زندگی کو رضائے الٰہی کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے۔ دین اللہ تعالیٰ کی وقتی غلامی کا نام نہیں بلکہ ہمہ وقتی بندگی کا نام ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ پوری زندگی وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا بین الاقوامی ربانی احکامات کے مطابق بسر کی جائے۔ دین کی غایت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے آگے جھک جائے۔ جب اس کے دل میں محبت الٰہی سما جائے گی تو پھر اسکی پوری زندگی ایک بندہ مومن کی زندگی بن جائے گی۔

لیکن ہماری دعوت میں دین کی اس کلی حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور دعوت کی تمام تر توجہ کسی ایک نیکی پر مبذول ہو کر رہ جاتی ہے اور لوگ بجا طور پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دین صرف اسی نیکی کو اپنانا ہے باقی ہم آزاد ہیں۔

اس کا عملی نقصان یہ ہوتا ہے کہ لوگ تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے سے تو ڈرتے ہیں لیکن سود کھانے سے نہیں ڈرتے۔ وہ حج پر لاکھوں روپیہ تو خرچ کر دیتے ہیں لیکن کسی غریب کی مڑی ہضم کرنے سے بھی نہیں رکتے۔ وہ نماز تو پابندی سے ادا کرتے ہیں لیکن وہ محرمات کی تجارت سے باز نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ وہ ہمارا مذہب ہے اور یہ ہمارا کاروبار۔ جن لوگوں نے من حیث الجماعت دین کی اس ناقص دعوت کو فروغ دیا ان میں حقوق العباد کی پامالی اور حرام چیزوں کے کاروبار بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے دین کی دعوت میں ہی کلیت کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔ ان کی حالت تقریباً یہی بن جاتی ہے۔

رات پی خوب سی مئے صبح کو توبہ لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی

وہ اپنے عمل سے ہر اس نیکی کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں جسے وہ اپنائے ہوئے ہوتے

Marfat.com

ہیں۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

لوگوں نے دین کے جس ناقص اور جزوی طریقے کو اپنا رکھا ہے اس میں وہ خود تو مجرم ہیں ہی۔ کیونکہ اپنی حد تک دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے۔ لیکن اس میں کچھ قصور ان داعیوں کا بھی بہر حال ہے جنہوں نے لوگوں کے سامنے دین کے ناقص تصور کو پیش کیا۔ دعوت اس وقت حقیقی دعوت بنتی ہے جب اس میں جامعیت اور کاملیت کی شانیں جلوہ گر ہو جائیں۔

اگر مدعو کو یہ بھی بتا دیا جاتا کہ جیسے نماز نہ پڑھنا گناہ ہے ایسے ہی جھوٹی گواہی دینا بھی گناہ ہے اور حضور سید عالم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جھوٹی گواہی کو شرک کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ روزے کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جاتا کہ ملاوٹ کرنے والے کے متعلق بھی حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم سے نہیں اور امانت داری سے تجارت کرنے والا قیامت کے دن انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔ اور مدعو پر یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ انسان کی جان، مال اور اسکی عزت بھی کعبہ کی طرح ہی قابل احترام ہے۔ تو یقیناً صورت حال وہ نہ ہوتی جو اب ہے۔

ہوا تو مفت میں بدنام ہو گئی ورنہ
خود آدمی نے بجھائے ہیں آدمی کے چراغ

جب ایک داعی کئی مہینے جشن میلاد النبی ﷺ کے اثبات یا انکار پر ہی دلائل دیتا رہے گا تو آخر نئی نسل دین کی کلی حیثیت سے کیسے واقف ہو گی۔ جب گیارہویں شریف کے ہزاروں پروگرام گیارہویں شریف کے جواز یا عدم جواز پر ہی ختم ہو جائیں گے تو آخر موقع دعوت کی اور بے قدری کس بلا کا نام ہے؟ اگر اعراس مقدسہ کے موقع پر ہزاروں افراد کے اجتماع کی پوری تقاریر میں صرف صاحب عرس کی کرامات ہی سنتے رہیں گے تو دین کے جامع تصور کو کن مواقع پر پیش کیا جائے گا؟ جب داعی کی تمام تر توجہ مسلمانوں کو مشرک یا

کافر ثابت کرنے پر ہی مرکوز رہے گی تو آخر دین کی کلی حیثیت لوگوں پر کیسے واضح ہوگی۔

مجھے کسی کے خلوص پر کوئی شک نہیں بلکہ ایسے طریقہ دعوت سے شدید اختلاف ہے جس میں دعوت کی تمام تر توجہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز کر کے دین کی کلی حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور لوگ بیچارے بہت بڑے دیندار ہونے کے باوجود بھی حقیقت دین سے بہت ہی دور رہتے ہیں۔

جب دین پر حملے ہمہ جہتی ہیں کہیں عقلی، کہیں اخلاقی اور کہیں عصبیتی تو اگر دعوت دین میں بھی یہی ہمہ جہتی نہ آئے گی تو گوہر مراد کیسے ملے گا؟

2۔ مسلکی دعوت

مسلک دین کی ایک ذیلی تقسیم ہے۔ دین کا شعور رکھنے والا ہر کلمہ گو کوئی نہ کوئی مسلک بھی ضرور رکھتا ہے۔ مسلک کے اختلاف عموماً ذوق یا دلیل کے اختلافات ہوتے ہیں لیکن جب ضد اور ہٹ دھرمی بھی شامل ہو جائے تو یہی اختلافات کفر و اسلام کے اختلافات سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ہمیں یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مسلک کے اختلافات ہمارے گھر کے اختلافات ہیں اسلام دشمن قوتیں صرف مسلمان اور غیر مسلم کا فرق کرتی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مسالک کے تمام اختلافات ختم ہو جائیں کیونکہ دلیل اور عقل کی روشنی میں یہ بات تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلکی اختلافات کو ان کے مقام پر رکھا جائے اور دعوت کا دائرہ اسلام کی آفاقی تعلیمات تک وسیع کیا جائے۔

لیکن بدقسمتی سے حالات اس قدر بدل چکے ہیں کہ اکثر داعیان اسلام کی تقاریر سن کر یا تحریریں پڑھ کر محسوس یوں ہوتا ہے جیسے قرآن کسی خاص مسلک کی تائید یا تردید میں ہی نازل ہوا ہے اور حضور سید عالم ﷺ زندگی بھر کسی خاص مسلک کی ہی تائید یا تردید فرماتے رہے ہوں۔

اگر خدانخواستہ کسی گھر میں آگ لگ جائے تو گھر والے یہ تو نہیں سوچتے کہ یہ چیز

Marfat.com

میری ہے یا میرے بھائی کی۔ وہ تو اپنے گھر میں لگی آگ بجھانے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں کہتے ہیں جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو عیسائی اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ رفع آسمانی کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گندم کی روٹی کھائی تھی یا جو کی۔ لیکن بخت نصر نے سب کو عیسائی ہی سمجھا تھا اور تباہی کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور سقوط بغداد کے وقت چنگیزیوں نے بھی کسی مسلک کی تفریق نہیں کی تھی۔

جملہ اسلام دشمن قوتیں ہر مسلمان کو صرف مسلمان ہی سمجھتیں ہیں نہ کہ کسی خاص مسلک کا پیروکار۔ اس لیے داعیان اسلام کو چاہیے کہ مسلکی اختلافات کو ان کے مقام پر رکھتے ہوئے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو وسیع کریں تا کہ لوگ اسلام کی آفاقی تعلیمات سے واقف ہو سکیں۔

عصر حاضر میں بدقسمتی سے تبلیغ اور دعوت پر مسلک کی اتنی گہری چھاپ ہوتی ہے کہ نئی نسل یہ سوچنے میں کسی حد تک ہی سہی حق بجانب ہے کہ شاید اسلام یہی ہے کہ دوسرے مسلک کو مشرک یا کافر ثابت کر دیا جائے۔ اسلام کی ہمہ گیر دعوت کو دنیا میں پھیلانے کی بجائے تمام کوششیں کسی مسلمان کو مشرک یا کافر ثابت کر دینے میں صرف کر دینا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔ بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں، یہاں بسا اوقات لاکھوں کے مجمعے ہوتے ہیں اسلام کی آفاقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی بجائے کسی خاص مسلک کی ہی تائید و تردید کو بہت بڑا کمال سمجھا جاتا ہے اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی بالکل ہی منتشر ہو کے رہ گئی ہے۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
(اقبال)

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دیار غیر میں یہاں ''تبلیغی دورے'' کیے جاتے ہیں وہاں تو بسا اوقات ایک ہی مسلک والے ایک دوسرے کو زیر کرنا بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر داعیان حق کی سرگرمیاں صرف مسلک کی ترویج و اشاعت تک ہی محدود رہیں تو

Marfat.com

اسلام کی بحیثیت دین تبلیغ کا فریضہ کس کے سپرد ہے؟

3۔ پیشہ ورانہ دعوت

اگر کسی کا معصوم بچہ خدانخواستہ آگ میں گر رہا ہو تو وہ فوراً تڑپ کر بے تابانہ اسے پکڑنے کے لیے لپکتا ہے۔ دعوت بھی ایسے ہی ایک جذبہ بیتاب کا نام ہے کیونکہ تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے۔ داعی کسی بھی اپنے بھائی کو آگ میں جاتا دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور اسے آگ سے بچانے کے لیے دیوانہ وار بھاگتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل دعوت عموماً ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ آخر ایک پیشہ ور آدمی میں خلوص اور جذب دروں کہاں سے آئے گا۔ ایک گلوکار صرف گانا گائے گا اور پیسے لے گا اسے اس سے قطعاً کوئی غرض نہ ہوگی کہ گانا اس کی دلی کیفیات سے ہم آہنگ ہے یا نہیں اور گانا سننے والا کون ہے۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جسے قرآن کا علم دیا گیا لیکن اس نے پھر بھی اپنے آپ کو کسی سے کمتر سمجھا تو اس نے قرآن کی نعمت کی قدر نہیں کی۔ بدقسمتی سے آج قرآنی تعلیمات کے پھیلانے والے کچھ مدعی قرآن مجید کی اسی بے قدری کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ قرآن مجید کا آفاقی پیغام کیا ہے۔ لوگ جو قرآنی تعلیمات سے دور ہو کر رسوم و رواج کے شکنجوں میں کستے جا رہے ہیں اور امت مسلمہ کے کندھوں پر جو دعوت وارشاد کی ذمہ داری ڈالی گئی ہم اس سے کیسے سرخرو ہو سکتے ہیں انہیں صرف اس سے غرض ہوتی ہے کہ مجھے تقریر پر بلانے والا کس چیز کا متمنی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ خوش کس طریقہ سے ہو سکتا ہے اور اسی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی
نصیحت بھی تیری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

(اقبال)

اگر صدر جلسہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوتی تو تقریر مقصدیت سے اس طرح تہی نہ ہوئی جیسا کہ عموماً ہوتی ہے۔ دعوت کی اس بے مقصدیت کی مجرم حکومت بھی ہے

Marfat.com

کیونکہ دعوت وارشاد بھی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔لیکن ایسے داعی بھی بہر حال خدا ورسول ﷺ کے مجرم ضرور ہیں جنہوں نے اپنا رازق خدا کو نہیں بلکہ منتظمین جلسہ کو سمجھ رکھا ہے۔ جب سے دعوت ایک پیشہ بنی ہے۔دعوت کی جو تاثیر دلوں میں انقلاب برپا کیا کرتی تھی عنقا ہو کے رہ گئی کیونکہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
(اقبال)

4۔دعوت ایک فن

دعوت تو اس جذبۂ بے تاب کا اظہار ہے جو خدا کے بندوں کو نار جہنم سے بچانے کے لیے کسی داعی کے دل میں پایا جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے آج کل اکثر دعوت مدعو پر راہ ہدایت واضح کرنے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے فن کا جادو جگانے کا ایک ذریعہ ہے اس سے بڑھ کر افسوسناک امر اور کیا ہوگا کہ مقصدیت نہ داعی کا مطلوب ہے اور نہ مدعو کا۔وہ فن کے اظہار کا شوقین اور یہ فن پر داد دینے والے۔شاید حکیم الامت علامہ اقبال نے اسی کا مرثیہ ان الفاظ میں کہا تھا۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

مفکرین کا خیال ہے کہ جو فتنے کسی قوم کو تاخت وتاراج کرتے ہیں ان میں سے ایک آواز کا فتنہ بھی ہے یہ صداقت اپنی جگہ کہ حسن صوت فی نفسہ ایک عطیہ ایزدی ہے اور اگر یہ

مقصدیت میں ممد ومعاون بن جائے تو نور علی نور ہے۔ لیکن اگر مقصدیت کے فقدان کو صرف آواز ہی سے پورا کیا جائے اور کسی کو اس نقصان کا احساس تک نہ ہو تو یقیناً آواز ایک نعمت نہیں فتنہ بن جاتی ہے۔ بسا اوقات آدمی پوری تقریر پر سر دھنتا ہے۔ داد و تحسین کے واویلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن تقریر کے بعد اگر اس کا تجزیہ کیا جائے کہ اس سے ہمیں کیا سبق ملا تو نتیجہ زیرو ہوتا ہے۔ جب سے دعوت ایک جذب دروں کا اظہار نہیں بلکہ صرف ایک صرف فن کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ تو دعوت صرف ایک وقتی چیز بن گئی ہے۔ جذبہ عمل سے قطعی بے نیاز صرف ایک تسکین ذوق کا سامان ہے گنگا اس قدر الٹی بہہ چلی ہے کہ بامقصد گفتگو کرنے والے کو بسا اوقات ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قوم متاع کردار کھو بیٹھی۔ جذبہ عمل سے محروم ہوگئی۔ عقیدہ شفاعت کو ہی ہر بے عملی کا سہار بنالیا گیا ہے اور ملت اسلامہ کے متعدد افراد اسی ''باطنیت'' کا شکار ہونے لگے جس نے امت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ لوگوں کو قرآن وسنت کی روشن شاہراہوں سے ہٹا کر حکایات یا موضوع روایات میں الجھا دیا گیا۔ نوبت با نیجا رسید

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

(اقبال)

قوم عمل سے اسی وقت محروم ہوتی ہے جب اس کے عقائد میں اضمحلال آتا ہے۔ جب یہود نے آخرت کا عقیدہ مسخ کیا اور یہ کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے اور اگر چلے بھی گئے تو گنتی کے چند روز۔ اور نصاریٰ نے عقیدہ کفارہ ایجاد کر کے اپنی تسکین کا سامان کر لیا۔ تو آخر وہ لوگ عمل کی مشقتیں کیوں اٹھاتے؟ یہی سبب ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعملی کے مرتکب ہو کے بھی اپنے آپ کو پارسا اور خدا ترس ہی سمجھتے رہے۔

اگر امت مسلمہ بھی حضور سید عالم ﷺ کی شفاعت یا آپکی غلامی کو ہی بے عملی کا ذریعہ بنالے تو خدارا! بتایئے کہ حضور سید عالم ﷺ کے مشن کے ساتھ اور آپکے مقصد بعثت کے

Marfat.com

ساتھ اور غداری کیا ہوگی؟ مجرم داعی ہے یا مدعو یا دونوں۔ بہر حال اس فن کے اظہار نے ملت کے قوائے عمل کاٹ کے رکھ دیئے ہیں اور ملت اسلامیہ سہل پسندی اور جھوٹے سہاروں کی دلدلوں میں پھنستی چلی جارہی ہے۔ ہمیں ڈرنا چاہیے اس وقت سے جب اسلام کا غیور رب ہمارے اس سنگین مذاق پر ہماری گرفت فرمالے اور پھر ہمیں اس کے غضب سے بچانے والا کوئی نہ ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ اپنے کرم کا ہی معاملہ فرمائے (آمین)

دعوت کو فن بنانے والے ذرا غور تو فرمائیں کہ انہوں نے قوم کو مقصدیت سے دور کر کے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ قوم دین کے بنیادی تصور کو ہی فراموش کر بیٹھی۔ عمل کی راہوں کو یکسر ترک کر بیٹھی۔ ان کا عمل اسلام کے لیے باعث ننگ و عار بن کے رہ گیا۔ اور ستم بالائے ستم کہ وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ جنت صرف انہیں کی منتظر ہے یہ قوم تمہاری قوم ہے۔ یہ ملت تمہاری ملت ہے یہ صرف پیسے اکٹھے کرنے کی ایک فیکٹری نہیں ہے۔ ان کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ بھی تمہارے کندھوں پر ہے۔ یہ قوم پہلے بہت لٹ چکی ہے اسے مزید نہ لوٹیے اس کا وجود پہلے ہی زخموں سے چور ہے اس پر مزید نمک پاشی نہ کیجئے۔ یہ کوئی غیر نہیں تمہارے اپنے ہیں۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

پیران عظام کا دعوتی کردار

پیران عظام معاشرے کا وہ معزز طبقہ ہے جن کی بات ہر کسی کے لیے بڑی ہی باوزن ہے۔ کسی کے لیے عقیدۃً اور کسی کے لیے مصلحتاً

کوئی رحمت سمجھتا ہے کوئی زحمت سمجھتا ہے
حسینوں پر زمانے کی نظریں بھی ہے اور یوں بھی
(اقبال)

بہت سے پیران عظام ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت کی بڑی

Marfat.com

ہی قدر کی ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور دولت سے دعوت کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔انہوں نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا، عظیم الشان ادارے قائم کیے جن سے داعیان حق کی کھیپیں نکل رہی ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں کلمہ حق پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔انہوں نے اپنے اثر واقتدار کو بھی نور حق کا اجالا پھیلانے میں استعمال کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں جو متاع دنیا عطا فرمائی تھی اسے بھی انہوں نے اشاعت دین کا ذریعہ ہی بنایا۔جزاھم اللہ عنا احسن الجزاء۔

لیکن ہمارے معزز پیران عظام کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی ہے جو لوگوں کو دعوت تو دیتے ہیں کیونکہ دعوت ہی ان کی تمام عزتوں کا سبب ہے لیکن وہ دعوت ہوتی کس چیز کی ہے۔ دوسرے پیران عظام کی تردید، اپنی اور اپنے بزرگوں کی کرامات، اور بسا اوقات دین سے دور لے جانے والے کچھ اعمال کی تبلیغ واشاعت

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

مجھے ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات آج بڑی شدت سے یاد آرہی ہے کہ دارالعلوم میں کسی پیر صاحب کے کوئی صاحبزادہ صاحب داخل ہوتے تو آپ اساتذہ کرام کو ان پر خصوصی توجہ کی تلقین فرماتے اور فرماتے کہ اگر ایک پیر صاحب سنور جائیں تو ان کے سارے مرید سنور جاتے ہیں۔

امت مسلمہ نے ان کے بزرگ اولیاء اللہ کی نسبت سے ان کا بڑا ہی احترام کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اگر اس احترام کو دنیا طلبی کے لیے ہی استعمال کیا تو یہ اس نعمت عظمیٰ کی بڑی ہی بے قدری ہوگی کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی حالت ان راہبوں جیسی ہو جائے جو دوسروں کو تو صدقہ وخیرات کی تلقین کرتے تھے اور لوگوں کی خیرات کو تقسیم کرنے کی بجائے سونے، چاندی کے گھڑے بھر کر زمین میں دفن کر دیتے تھے۔اگر ایسا ہے تو پھر ملک کے کرپٹ حکمرانوں اور ایسے پیران عظام میں کیا فرق رہ جائے گا؟ بلکہ شاید یہ ان حکمرانوں سے بھی بارگاہِ الٰہی کے بڑے مجرم بنیں کیونکہ انہوں نے لوگوں کو دین کے نام پر لوٹا۔بقول اقبال۔

Marfat.com

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

گدی نشینی ایک پیشہ نہیں ہے۔ دعوت وارشاد کی ایک بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے۔ خود خدا بننا نہیں۔ لوگوں کو خدائے واحد کے آگے جھکانا ہے۔ رسالت کی عقیدتیں اپنے لیے سمیٹنا نہیں لوگوں کے دلوں میں رسالت کی عظمتوں اور مقامات کو اجاگر کرنا ہے۔ اپنی ہر بات کے واجب التسلیم ہونے کا اقرار کروانا نہیں۔ خدا اور رسول ﷺ کو حق و صداقت کا معیار منوانے کی سرتوڑ کوشش کرنا ہے۔

میں اہل اللہ کے در کی خاکروبی کو بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ میں ان باتوں سے ایسے پیران عظام کے قد کو چھوٹا کرنے کی سعی ناتمام نہیں کررہا۔ بلکہ صرف انہی کے بزرگوں کا پڑھوایا ہوا سبق دہرا رہا ہوں۔ بقول اقبال

انداز بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور

چمن میں تلخ نوائی میری گوارہ کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی
(اقبال)

عصر حاضر میں لادینیت کی بڑھتی ہوئی جس یلغار نے بھولی بھالی امت کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے ان حالات میں اگر دعوت کے موجودہ نقائص کا احساس کیا جائے اور انہیں دور کرنے کے مقدور بھر سعی کی جائے تو کار دعوت اپنے ارتقاء کو پہنچ سکتا ہے۔

مانو نہ مانو میری جان اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

Marfat.com

مشکلات دعوت

جو شر کی حقیقت سے واقف نہ ہو وہ خیر سے کما حقہ آگاہ نہیں ہوسکتا۔ نور سے بھرپور استفادہ وہی کرے گا جو ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے واقف ہوگا داعی اگر ان مشکلات اور رکاوٹوں کا ادراک نہ کرے جو مدعو کو دعوت سے دور رکھنے کا سبب بن رہی ہیں تو یہ حکمت اور دانشمندی کے خلاف ہوگا۔ دین سے دوری کے اسباب بدنیتی اور عیش پرستی میں ہی محدود نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی ایسی بھی رکاوٹیں ہیں جو مدعو کے راستے میں حائل ہو جاتی ہیں اور اسے دین سے بہت ہی دور لے جاتی ہیں۔ اگر داعی ان رکاوٹوں کا بھرپور شعور رکھے تو وہ فریضہ دعوت کو بھرپور طریقہ سے سرانجام دے سکتا ہے۔ اور ان مشکلات کا احساس اور شعور ہی داعی کے دل میں مدعو کے لیے نرمی اور محبت کا وہ گوشہ پیدا کرے گا جس کے تحت مدعو کی دین سے دوری کے سبب داعی اسے قابل رحم اور توجہ کا زیادہ مستحق سمجھے گا نہ کہ دین کا غدار اور باغی۔ انہیں مشکلات کا ایک مختصر سا جائزہ پیش خدمت ہے

معاشرتی رکاوٹیں

ہم ایک ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں لوگوں کو دین سے دور لے جانے کے لیے منظم سازشیں کی جارہی ہیں اور ان پر بے تحاشا پیسہ لٹایا جارہا ہے۔ کیونکہ یورپ کو خطرہ اسلام اور صرف اسلام سے ہے۔ ابلیس آج بھی پکار رہا ہے۔ (بقول اقبال)

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر ﷺ کہیں

الحذر آئین پیغمبر ﷺ سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں

یہی وجہ ہے کہ ابلیس اور اسکی پوری ذریت پوری جانفشانی سے لوگوں کو دین سے دور لے جانے پر جتی ہوئی ہے۔ ایک بچہ جو فطرت سلیمہ لیکر اس کائنات میں آتا ہے۔ شعور سنبھالنے پر اسے اپنے اردگرد فحش گانے، کیبل نیٹ ورک کی عریانی، بازاروں کے حیا سوز مناظر اور فحش فلمی رسائل کی بھرمار سے واسطہ پڑے اور رہی سہی کسر ہمارا نصاب تعلیم پورا کر دے۔ (بقول اقبال)

گلہ تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

تو بتایئے وہاں دینی فکر کیسے پروان چڑھے گی؟

انسان فطرتاً جلد باز ہے چونکہ بدی اور بے راہ روی کا لطف فوراً مل جاتا ہے اگر چہ وہ عارضی ہوتا ہے اور مزید رسوائیوں کا سامان کرتا ہے لیکن نیکی اور دین کا کیف کچھ بعد میں ملتا ہے وہ دائمی اور سرمدی ہوتا ہے۔ لیکن بندہ عجلت باز ہونے کے ناطے معاشرہ کے پھیلائے ہوئے ان بدی کے جالوں میں بڑی جلدی پھنس جاتا ہے۔ (بقول اقبال)

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

داعیان حق! یقین فرمایئے یہ قوم دین کی باغی نہیں ہے۔ یہ مظلوم قوم ہے انہیں دین سے دور لے جانے والی منظم سازشوں نے اپنے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ انہیں دھتکارو نہیں، سینے سے لگاؤ، انہیں دین کے غدار نہ کہو ان کی مجبوریوں کو سمجھو۔ کمال حکمت سے ان راستے کے پتھر ہٹاؤ تاکہ یہ شاہین زیر دام آسکے۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
(اقبال)

دین کا سطحی علم اور ایک مخصوص منہج فکر

جب دین سے دور اس معاشرہ میں ایک بچہ پروان چڑھتا ہے تو ظاہر ہے یا تو اس کی دینی معلومات بالکل ہی صفر ہوتی ہیں یا نہ ہونے کے برابر۔ وہ دین کے متعلق بالکل ہی نابلد ہوتا ہے یا اپنی محدود معلومات کی بدولت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوتا ہے کہ دین چند مسائل میں جھگڑنے کا نام ہے۔ یہی سطحی علم ایک خاص ذوق کو تخلیق کرتا ہے جس میں وہ حکایات اور مترنم اشعار سن کر ہی خوش ہوتا ہے۔ کسی علمی گفتگو کو پڑھنا یا سننا اس کے ذوق پر گراں گذرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس پر ایسی معلومات، کا اثر بالکل سطحی اور عارضی ہوتا ہے۔ جو اس میں قوت عمل پیدا نہیں کر سکتا۔ اسے ایسی روایات تو بہت اچھی لگتی ہیں جن میں کوئی ایک جملہ پڑھ لینا ہی اسکی بخشش کے لیے کافی ہو۔ لیکن دین کے لیے قربانی دینا یا دین کو مکمل طور پر اپنی ذات پر نافذ کرنا اسے بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے اس لیے جب ایک داعی اسے کسی ایک جملے پر بخشش کی بشارت سناتا ہے تو وہ عش عش کر اٹھتا ہے لیکن جب اسے عمل اور حقیقت دین کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منقبض ہو جاتا ہے۔ وہ ظنی قسم کے مسلکی اختلاف پر تو کٹ مرنے کو تیار ہو جاتا ہے مستحب چیزوں پر بے تحاشا دولت لٹا دیتا ہے۔ لیکن دینی فکر کی نشر و اشاعت کے لیے ایک روپیہ بھی خرچ کرنا اسے سوہان روح محسوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس معاشرہ میں ''سہل پسند'' واعظین کے لئے تو بڑی گنجائش ہے لیکن فکر اسلامی کا جذبہ رکھنے والے حضرت کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں۔ بلا شبہ ایک داعی حق کے لیے یہ مرحلہ بڑا ہی تشویشناک اور کٹھن ہے۔

دعوت حکومتی سرپرستی سے محروم

یہ درست ہے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو دعوت کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن دراصل

Marfat.com

دعوت وتبلیغ حکومت وقت کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔اہل ایمان کے متعلق فرمایا گیا

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج:41)

"وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔

لیکن اب تو حکومت اس فریضہ سے بالکل اعراض کی مجرم ہے اور اگر کسی حد تک یہ شعبہ حکومت کے دائرہ میں آتا بھی ہے تو اتنی پابندیوں کے ساتھ کہ جیسے انہیں دعوت نہیں اپنی حکومتی وکالت کرنا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ایک ڈاکٹر، ایک انجینئر اور ایک جنرل پیدا کرنے میں حکومت لاکھوں، کروڑوں روپیہ صرف کرتی ہے تو ایک عالم دین اور ایک داعی پیدا کرنے پر کتنے پیسے صرف کرتی ہے؟

جب سے حکومت اس اہم ذمہ داری سے اعراض کی مرتکب ہوئی ہے۔تو عموماً اس فریضہ کی ادائیگی اس جامعیت اور ہمہ جہتی سے تہی ہوئی ہے جو اس کا طرہ امتیاز اور روح رواں ہے۔اور اس فساد اور بگاڑ کی کئی شکلوں کا ظہور ہوا ہے مثلاً یہ باقاعدہ ایک پیشہ کی شکل اختیار کر گئی دیگر کاروبار کی طرح اس کے بھی نرخ مقرر ہونے لگے الا ماشاء اللہ۔تقریر وتحریر میں مقصدیت یا جذبہ ابلاغ سے بڑھ کر اس چیز کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی کہ میرے سامعین یا قارئین کس چیز سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔بقول اقبال

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دعوت اور حکومتی رکاوٹیں

نہ صرف یہ کہ حکومت نے اس اہم ذمہ داری سے روگردانی کی ہے بلکہ بسا اوقات یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ حکومت دعوت کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی

Marfat.com

کر دیتی ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یورپ کوصرف اسلام کی بیداری سے ہی خطرہ ہے اور بدقسمتی سے ہماری حکومتوں کی پالیسیاں ادھر سے ہی بنتی ہیں۔تو وہ اسلام کی دعوت وارشاد کے لیے ممد ومعاون کیسے ثابت ہوسکتی ہیں۔یہی وجہ کہ حکومتیں فضول کاموں پر کروڑوں روپے لگا دیتی ہیں لیکن دعوت وتبلیغ کے کام پر ایک روپیہ صرف کرنا بھی پیسے کا ضیاع خیال کیا جاتا ہے۔

حکومت نے جولازمی نصاب تعلیم قوم کو دیا ہے۔اسے پورا پڑھ لینے کے باوجود بھی طالب علم دین کی ضروری معلومات سے محروم ہی رہتا ہے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
(اقبال)

جمعہ کی بجائے اتوار کی چھٹی سے ایک تو جمعہ کی نماز پر بھی منفی اثر پڑا ہے میری مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی دفتر میں ہی جمعہ گزر جاتا ہے کیونکہ صاحب بیٹھے ہوتے ہیں تو عملہ کیا کرے؟ اور جمعہ کا خطبہ سننا تو لوگوں کے لیے بہت ہی مشکل ہوگیا ہے۔جبکہ عصر حاضر میں دعوت وارشاد کا یہی ایک مرکزی ذریعہ ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ نئی نسل کے ذہنوں سے جمعہ کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے اور چھٹی کے مسئلہ میں مسلمانوں کا تشخص بری طرح مجروح ہوا ہے۔چونکہ حکومتی عہدوں پر فائز اکثر حضرات جذبہ دین سے محروم ہوتے ہیں اس لیے وہ دین کو کوئی اہمیت دیتے ہی نہیں ہیں۔

داعیان حق کی غربت اور اسکے نفسیاتی اثرات

ایک حکایت ہے کہ ایک آدمی گدھے پر کوئی وزن لادے جارہا تھا راستے میں ایک آدمی ملا۔اس نے پوچھا کیا لادے جارہے ہو۔اس نے جواب دیا ایک طرف گندم ہے اور ایک طرف مٹی۔اس نے کہا مٹی کیوں لادی ہے۔کہنے لگا وزن برابر کرنے کیلئے۔اس نے کہا اللہ کے بندے! تم نے خواہ مخواہ گدھے پر اتنا بوجھ لادا ہوا ہے۔اگر تم گندم ہی آدھی

Marfat.com

آدھی کر لیتے تو وزن بھی برابر ہو جاتا ہے اور بوجھ بھی کم ہو جاتا۔

اس نے کہا جناب! آپ تو بڑے دانشمند آدمی لگتے ہو۔ اچھا بتاؤ تمہاری زمین کتنی ہے۔ اس نے جواب دیا میری کوئی زمین نہیں۔ اس نے کہا اچھا آپ کوئی بہت بڑے تاجر ہوں گے۔ اس نے جواب دیا نہیں میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔

جب اس پر واضح ہو گیا کہ یہ واقعی ایک غریب اور تنگدست آدمی ہے۔ تو اس نے کہا تم اپنی عقل اپنے پاس رکھو اور میں جیسے جا رہا ہوں مجھے ایسے ہی جانے دو۔

یہ حکایت کوئی لطیفہ ہی نہیں انسان کی بہت بڑی نفسیاتی کیفیت کا تذکرہ ہے۔ کہ غریب اور تنگدست آدمی کی بات کتنی ہی باوزن کیوں ہو، عموماً اسے رد کر دیا جاتا ہے۔

میری غربت نے اڑایا ہے میرے فن کا مذاق
تیری دولت نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار سب سے پہلے قبیلوں کے سردار ہی کرتے تھے کیونکہ کسی غیر سردار کی بات ماننا وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اور قریش کے سردار بھی تو یہی کہتے تھے کہ قرآن مجید آخر کسی سردار پر کیوں نہ اتارا گیا۔

دعوت کے راستے میں دیگر رکاوٹوں کے علاوہ ایک رکاوٹ اہل دعوت کی تہی دستی بھی ہے۔ اگرچہ درحقیقت قرآن وسنت کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو قرآن حکیم کا علم دیا گیا لیکن اس نے پھر بھی اپنے آپ کو کسی سے کم سمجھا تو اس نے نعمت قرآن کی قدر نہ کی۔

اس حقیقت کے باوجود اہل ثروت کے لیے داعی کی عسرت قبول دعوت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ آپ فرض کریں کہ اگر کوئی سردار، صدر یا وزیر اعظم صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور وہ اقامت صلوٰۃ کا حکم دے تو لوگوں کے دلوں پر اس کی بات کا کتنا اثر ہو گا اور کسی امام یا خطیب کا یہی کہنا کیسے صدا بصحرا ثابت ہو گا۔

عقائد میں بگاڑ اور لوگوں کی سہل پسندی

اگر عقیدہ پختہ نہ رہے تو عمل میں کبھی بھی پختگی نہیں آ سکتی۔ جب سے فن بن جانے کے سبب دعوت مقصدیت سے خالی ہوئی ہے۔ لوگوں کو دین کی جامع اور مکمل دعوت کی جگہ بعض مخصوص امور کی دعوت دی جا رہی ہے۔ قرآن وسنت کے مفاہیم کو مسخ کر کے خود ساختہ مفاہیم قرآن وسنت پر منطبق کیے جا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ تو لوگ رحمت الٰہی کو ہی تمام گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ کی شفاعت کو ہی غلط معنی پہنا کر اپنے آپ کو ہر عمل صالح سے بے نیاز کرتے جا رہے ہیں۔ کسی اللہ والے سے نسبت ہی بخشش کے لیے کافی سمجھ لی جاتی ہے۔ جو خود اہل اللہ کی دعوت اور فکر کے سراسر منافی ہے۔ اتنی سہل پسند طبیعتوں کے سامنے دین کے جامع تصور کو پیش کرنا اور حقیقی امور کی طرف دعوت دینا کتنا صبر آزما اور مشکل مرحلہ ہے۔

اگر جنت کے راستے اتنے ہی سہل اور آسان ہوتے جتنے سمجھ لیے گئے تو باری تعالیٰ یوں نہ فرماتا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرہ:214)

”کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر (ابھی) ان لوگوں جیسی مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے گذر گئے۔ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اسکے ساتھ اہل ایمان کہہ اٹھے اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے“۔

قدم راہ محبت میں نہ رکھ میر
سر جاتا ہے گام اولیں میں

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

فرقہ پرستی پھیلنے کے روشن امکانات

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جو فرد یا گروہ دین کے جامع تصور کو ترک کر کے صرف فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانے میں مصروف ہو جائے۔ تو بڑی بڑی لابیاں اس کی سرپرستی کو موجود ہوتی ہیں۔ لوگ اپنے مخصوص ذوق کے تحت اس کی طرف بھاگتے چلے آتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے اس کے راستے میں معاشی اور معاشرتی رکاوٹیں ہمالہ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں اپنے مشن کی نشر و اشاعت کے لیے ایک پمفلٹ بھی تقسیم کرنا اس کے لیے جوئے شیر لانے سے مشکل بن جاتا ہے جبکہ فرقہ پرست گروہ اور تنظیم کو سائیکل سے پجیرو تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

بعض علماء کا قابل نفرت رویہ

جس بندے سے کسی کی مذہبی عقیدتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اسی کو عمل کا نمونہ بناتا ہے۔ اس کی نظر میں صداقت اسلام کی دلیل اسی کی ذات ہوتی ہے۔ عقیدتوں کے اس عروج پر اگر وہ عالم دین، پیر طریقت یا مفکر اسلام کوئی ایسا رویہ استعمال کرتا ہے جو اس کے شایان شان نہ ہو لوگ اس سے تو متنفر ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن یہی چیز کبھی کبھی لوگوں کی دین سے دوری کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

اور

امتی باعث رسوائی پیغمبر ﷺ ہیں

لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر دین کی تاثیر اتنے بڑے عالم، فاضل اور مفکر

Marfat.com

کو اچھا انسان نہیں بنا سکی تو شاید دین صرف الفاظ کا ہی کھیل ہے۔ پھر جب بھی کوئی داعی انہیں دعوت الی اللہ دیتا ہے تو لوگ بجا طور پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھی سیاسی یا معاشی مفادات حاصل کرنے کی ایک سیڑھی ہی بنائے گا اور داعی کی بات بے وزن ہو جاتی ہے۔

تعلیمات تصوف سے دوری

تصوف ہی اسلام کا مغز اور ایمان کی روح ہے۔ جب سے تصوف کے جانشینوں نے اسے عموماً جلب زر کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ ہوس دنیا، تکبر، ریا اور شہرت و ناموری کے عفریت نسل انسانی کو اچکتے جا رہے ہیں۔ ان بیماریوں کا علاج اور صرف تصوف کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ دعوت کی رکاوٹوں میں ایک اہم رکاوٹ مدعو اور جب تک معاشرہ میں تصوف کا رنگ نہ آئے، تقریر و تحریر تصوف کی چاشنی سے خالی ہو تو دعوت کیسے موثر اور انقلاب آفرین ہو سکتی ہے۔

ایک داعی کو ان تمام رکاوٹوں کا بھرپور احساس اور شعور ہونا چاہیے۔ تا کہ وہ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کمال حکمت اور دانشمندی سے عمل دعوت سرانجام دے سکے۔

Marfat.com

امکانات دعوت

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرمارہے تھے۔ ہم آپ کے پاس شکایت لیکر حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ ہمارے لیے خدا سے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے۔ آپ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا کیوں نہیں فرماتے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لیے گڑھا کھوہ جاتا۔ پھر اس کو اس گڑھے میں کھڑا کردیا جاتا ہے۔ پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کردیئے جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا۔ اور اس کے بدن پر لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت کو چیرتے ہوئے ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے۔ مگر وہ خدا کا بندہ اپنے دین سے نہ پھرتا۔ خدا کی قسم! یہ دین غالب ہوکر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے ہیں اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا کر نہ لے جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ تم جلدی مچارہے ہو" (صحیح بخاری رقم الحدیث)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہی مفہوم ان زوردار الفاظ میں بیان فرمایا گیا۔

لایبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله كلمة الاسلام (مشکوٰۃ، رقم الحدیث:37)

Marfat.com

''سینہ دھرتی پر کوئی کچایاپکا گھر ایسا نہیں بچے گا مگر یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل کرے گا''۔

کارِ دعوت کی مذکورہ تمام تر مشکلات کے باوجود دعوت پھیلنے کے امکانات کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔ ویسے بھی قانون قدرت

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الانشراح:6-5)

''پس مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

یہاں اللہ نے **العسر** کو دونوں جگہ معرفہ اور یسر کو دونوں جگہ نکرہ بیان فرمایا ہے۔ معرفہ خاص اور نکرہ عام ہوتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسانیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور مشکلات بہت ہی کم ہوتی ہے، اس آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک تھوڑی مشکلات بہت سی آسانیوں کے دروازے کھولتی ہیں۔

اندھیری رات کی تاریکیوں سے مت گھبرا
بڑھیں گے حد سے اندھیرے تو روشنی ہوگی

راہ دعوت کو بیان کرنے کا مقصد داعی کو مایوسی کا سبق دینا نہیں تھا بلکہ صرف ان مشکلات کا احساس دلانا تھا کہ کار دعوت کو پھولوں کی سیج نہ سمجھے بلکہ اس کی تمام تر مشکلات کا بھرپور شعور پیدا کر کے سوئے منزل بڑھتا ہی رہے۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ورنہ امکانات کا دائرہ مشکلات کی نسبت بہت ہی وسیع ہے۔ امکانات کی چند جہتیں ملاحظہ ہوں۔ کیونکہ ان میں داعی کے لیے ایک نوید مسرت بھی ہے اور متنبہ رہنے کا سامان بھی۔ کہ وہ ان امکانات سے بھرپور استفادہ کرے اور تکمیل دعوت کی منزل کی طرف بڑھتا ہی چلا جائے۔

Marfat.com

فطرت کی پکار

کسی بھی چیز سے فطرت کا ظہور ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آگ سے گرمی یا برف سے ٹھنڈک کا ظہور۔ آپ کسی مصنوعی ذریعہ سے ان چیزوں کو کچھ وقت کے لیے دبا تو سکتے ہیں لیکن کلیۃً ختم نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی انسان کی اصل فطرت اسلام ہے۔ اگرچہ قدم قدم پر اسے بہکانے اور بھٹکانے کے لئے بڑے بڑے جال بچھا دیئے گئے ہیں، پھندے لگا دیئے گئے ہیں لیکن جونہی اسے اس کی اصل فطرت کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تو انسان اتنے ہی اشتیاق اور والہانہ انداز سے لوٹتا ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے یا بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے۔

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے، تشنہ مضراب ہے ساز
(اقبال)

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

بدی کی ہر دعوت، وہ کفر کے رنگ میں ہو یا فسق کے روپ میں۔ دراصل ایک مصنوعی چیز ہے جیسے سمندر کے پانی سے پیاس بجھانے کی سعی ناتمام۔ لیکن اسلام یا نیکی کی دعوت فطرت کی طرف بلانا ہے جیسے پیاسے کا پانی کی طرف لوٹنا۔ بات صرف یہ ہے کہ بد، بدی کے پھیلانے میں جس محنت اور مشقت کا اظہار کرتا ہے۔ نیکی اور خیر کے داعی عموماً اس جواں ہمتی اور مردانگی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ورنہ اصل چیز نیکی ہے نہ کہ برائی۔

فرض کریں ایک نشے کا عادی شخص کسی محلے میں آبستا ہے وہ لوگوں کو نشے پر لگاتا رہتا ہے نہ کسی گالی کی پرواکرتا ہے اور نہ کسی تنقید کو خاطر میں لاتا ہے۔ لیکن اگر نیکی کے داعی اور حق کے مبلغ اتنی استقامت کا بھی مظاہرہ نہ کریں تو کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے۔ نیکی کے داعی نیکی پھیلانے سے قطعاً گریز نہ کریں کیونکہ یہی دراصل فطرت انسانی کی پکار ہے۔

Marfat.com

مقصدیت میں ممد و معاون بن جائے تو نور علی نور ہے۔ لیکن اگر مقصدیت کے فقدان کو صرف آواز ہی سے پورا کیا جائے اور کسی کو اس نقصان کا احساس تک نہ ہو تو یقیناً آواز ایک نعمت نہیں فتنہ بن جاتی ہے۔ بسا اوقات آدمی پوری تقریر پر سر دھنتا ہے۔ داد و تحسین کے واویلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن تقریر کے بعد اگر اس کا تجزیہ کیا جائے کہ اس سے ہمیں کیا سبق ملا تو نتیجہ زیرو ہوتا ہے۔ جب سے دعوت ایک جذب دروں کا اظہار نہیں بلکہ صرف ایک صرف فن کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ تو دعوت صرف ایک وقتی چیز بن گئی ہے۔ جذبہ عمل سے قطعی بے نیاز صرف ایک تسکین ذوق کا سامان ہے گنگا اس قدر الٹی بہہ چلی ہے کہ بامقصد گفتگو کرنے والے کو بسا اوقات ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ قوم متاع کردار کھو بیٹھی۔ جذبہ عمل سے محروم ہوگئی۔ عقیدہ شفاعت کو ہی ہر بے عملی کا سہار بنالیا گیا ہے اور ملت اسلامیہ کے متعدد افراد اسی ''باطنیت'' کا شکار ہونے لگے جس نے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ لوگوں کو قرآن وسنت کی روشن شاہراہوں سے ہٹا کر حکایات یا موضوع روایات میں الجھا دیا گیا۔ نوبت بانیجا رسید

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

(اقبال)

قوم عمل سے اسی وقت محروم ہوتی ہے جب اس کے عقائد میں اضمحلال آتا ہے۔ جب یہود نے آخرت کا عقیدہ مسخ کیا اور یہ کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے اور اگر چلے بھی گئے تو گنتی کے چند روز۔ اور نصاریٰ نے عقیدہ کفارہ ایجاد کر کے اپنی تسکین کا سامان کر لیا۔ تو آخر وہ لوگ عمل کی مشقتیں کیوں اٹھاتے؟ یہی سبب ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعملی کے مرتکب ہو کے بھی اپنے آپ کو پارسا اور خدا ترس ہی سمجھتے رہے۔

اگر امت مسلمہ بھی حضور سید عالم ﷺ کی شفاعت یا آپکی غلامی کو ہی بے عملی کا ذریعہ بنالے تو خدارا! بتایئے کہ حضور سید عالم ﷺ کے مشن کے ساتھ اور آپکے مقصد بعثت کے

Marfat.com

ساتھ اور غداری کیا ہوگی؟ مجرم داعی ہے یا مدعو یا دونوں۔ بہر حال اس فن کے اظہار نے ملت کے قوائے عمل کاٹ کے رکھ دیئے ہیں اور ملت اسلامیہ سہل پسندی اور جھوٹے سہاروں کی دلدلوں میں پھنستی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں ڈرنا چاہیے اس وقت سے جب اسلام کا غیور رب ہمارے اس سنگین مذاق پر ہماری گرفت فرمالے اور پھر ہمیں اس کے غضب سے بچانے والا کوئی نہ ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ اپنے کرم کا ہی معاملہ فرمائے (آمین)

دعوت کو فن بنانے والے ذرا غور تو فرمائیں کہ انہوں نے قوم کو مقصدیت سے دور کر کے کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ قوم دین کے بنیادی تصور کو ہی فراموش کر بیٹھی۔ عمل کی راہوں کو یکسر ترک کر بیٹھی۔ ان کا عمل اسلام کے لیے باعث ننگ و عار بن کے رہ گیا۔ اور ستم بالائے ستم کہ وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ جنت صرف انہیں کی منتظر ہے یہ قوم تمہاری قوم ہے۔ یہ ملت تمہاری ملت ہے یہ صرف پیسے اکٹھے کرنے کی ایک فیکٹری نہیں ہے۔ ان کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ بھی تمہارے کندھوں پر ہے۔ یہ قوم پہلے بہت لٹ چکی ہے اسے مزید نہ لوٹیے اس کا وجود پہلے ہی زخموں سے چور ہے اس پر مزید نمک پاشی نہ کیجئے۔ یہ کوئی غیر نہیں تمہارے اپنے ہیں۔

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

پیران عظام کا دعوتی کردار

پیران عظام معاشرے کا وہ معزز طبقہ ہے جن کی بات ہر کسی کے لیے بڑی ہی باوزن ہے۔ کسی کے لیے عقیدۃً اور کسی کے لیے مصلحتاً

کوئی رحمت سمجھتا ہے کوئی زحمت سمجھتا ہے
حسینوں پر زمانے کی نظریوں بھی ہے اور یوں بھی
(اقبال)

بہت سے پیران عظام ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت کی بڑی

Marfat.com

ہی قدر کی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور دولت سے دعوت کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انہوں نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا، عظیم الشان ادارے قائم کیے جن سے داعیان حق کی کھیپیں نکل رہی ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں کلمہ حق پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ انہوں نے اپنے اثر واقتدار کو بھی نور حق کا اجالا پھیلانے میں استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو متاع دنیا عطا فرمائی تھی اسے بھی انہوں نے اشاعت دین کا ذریعہ ہی بنایا۔ جزاهم الله عنا احسن الجزاء۔

لیکن ہمارے معزز پیران عظام کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی ہے جو لوگوں کو دعوت تو دیتے ہیں کیونکہ دعوت ہی ان کی تمام عزتوں کا سبب ہے لیکن وہ دعوت ہوتی کس چیز کی ہے۔ دوسرے پیران عظام کی تردید، اپنی اور اپنے بزرگوں کی کرامات، اور بسا اوقات دین سے دور لے جانے والے کچھ اعمال کی تبلیغ واشاعت

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا مانند مسلمانی

مجھے ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات آج بڑی شدت سے یاد آرہی ہے کہ دارالعلوم میں کسی پیر صاحب کے کوئی صاحبزادہ صاحب داخل ہوتے تو آپ اساتذہ کرام کو ان پر خصوصی توجہ کی تلقین فرماتے اور فرماتے کہ اگر ایک پیر صاحب سنور جائیں تو ان کے سارے مرید سنور جاتے ہیں۔

امت مسلمہ نے ان کے بزرگ اولیاء اللہ کی نسبت سے ان کا بڑا ہی احترام کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اگر اس احترام کو دنیا طلبی کے لیے ہی استعمال کیا تو یہ اس نعمت عظمیٰ کی بڑی ہی بے قدری ہوگی کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی حالت ان راہبوں جیسی ہو جائے جو دوسروں کو تو صدقہ وخیرات کی تلقین کرتے تھے اور لوگوں کی خیرات کو تقسیم کرنے کی بجائے سونے، چاندی کے گھڑے بھر کر زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ملک کے کرپٹ حکمرانوں اور ایسے پیران عظام میں کیا فرق رہ جائے گا؟ بلکہ شاید یہ ان حکمرانوں سے بھی بارگاہِ الٰہی کے بڑے مجرم بنیں کیونکہ انہوں نے لوگوں کو دین کے نام پر لوٹا۔ بقول اقبال۔

Marfat.com

تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

گدی نشینی ایک پیشہ نہیں ہے۔ دعوت وارشاد کی ایک بہت بڑی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے۔ خود خدا بننا نہیں۔ لوگوں کو خدائے واحد کے آگے جھکانا ہے۔ رسالت کی عقیدتیں اپنے لیے سمیٹنا نہیں لوگوں کے دلوں میں رسالت کی عظمتوں اور مقامات کو اجاگر کرنا ہے۔ اپنی ہر بات کے واجب التسلیم ہونے کا اقرار کروانا نہیں۔ خدا اور رسول ﷺ کو حق و صداقت کا معیار منوانے کی سرتوڑ کوشش کرنا ہے۔

میں اہل اللہ کے در کی خاکروبی کو بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ میں ان باتوں سے ایسے پیران عظام کے قد کو چھوٹا کرنے کی سعی ناتمام نہیں کر رہا۔ بلکہ صرف انہی کے بزرگوں کا پڑھوایا ہوا سبق دہرا رہا ہوں۔ بقول اقبال

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور

چمن میں تلخ نوائی میری گوارہ کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی
(اقبال)

عصر حاضر میں لادینیت کی بڑھتی ہوئی جس یلغار نے بھولی بھالی امت کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے ان حالات میں اگر دعوت کے موجودہ نقائص کا احساس کیا جائے اور انہیں دور کرنے کے مقدور بھر سعی کی جائے تو کار دعوت اپنے ارتقاء کو پہنچ سکتا ہے۔

مانو نہ مانو میری جان اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

Marfat.com

مشکلات دعوت

جو شر کی حقیقت سے واقف نہ ہو وہ خیر سے کما حقہ آگاہ نہیں ہو سکتا۔ نور سے بھر پور استفادہ وہی کرے گا جو ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے واقف ہوگا داعی اگر ان مشکلات اور رکاوٹوں کا ادراک نہ کرے جو مدعو کو دعوت سے دور رکھنے کا سبب بن رہی ہیں تو یہ حکمت اور دانشمندی کے خلاف ہوگا۔ دین سے دوری کے اسباب بدنیتی اور عیش پرستی میں ہی محدود نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی ایسی بھی رکاوٹیں ہیں جو مدعو کے راستے میں حائل ہو جاتی ہیں اور اسے دین سے بہت ہی دور لے جاتی ہیں۔ اگر داعی ان رکاوٹوں کا بھر پور شعور رکھے تو وہ فریضہ دعوت کو بھر پور طریقہ سے سرانجام دے سکتا ہے۔ اور ان مشکلات کا احساس اور شعور ہی داعی کے دل میں مدعو کے لیے نرمی اور محبت کا وہ گوشہ پیدا کرے گا جس کے تحت مدعو کی دین سے دوری کے سبب داعی اسے قابل رحم اور توجہ کا زیادہ مستحق سمجھے گا نہ کہ دین کا غدار اور باغی۔ انہیں مشکلات کا ایک مختصر سا جائزہ پیش خدمت ہے

معاشرتی رکاوٹیں

ہم ایک ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں لوگوں کو دین سے دور لے جانے کے لیے منظم سازشیں کی جا رہی ہیں اور ان پر بے تحاشا پیسہ لٹایا جا رہا ہے۔ کیونکہ یورپ کو خطرہ اسلام اور صرف اسلام سے ہے۔ ابلیس آج بھی پکار رہا ہے۔ (بقول اقبال)

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر ﷺ کہیں

Marfat.com

الحذر آئین پیغمبر ﷺ سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں

یہی وجہ ہے کہ ابلیس اور اسکی پوری ذریت پوری جانفشانی سے لوگوں کو دین سے دور لے جانے پر جتی ہوئی ہے۔ ایک بچہ جو فطرت سلیمہ لیکر اس کائنات میں آتا ہے۔ شعور سنبھالنے پر اسے اپنے اردگرد فحش گانے، کیبل نیٹ ورک کی عریانی، بازاروں کے حیا سوز مناظر اور فحش فلمی رسائل کی بھرمار سے واسطہ پڑے اور رہی سہی کسر ہمارا نصاب تعلیم پورا کر دے۔ (بقول اقبال)

گلہ تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

تو بتایئے وہاں دینی فکر کیسے پروان چڑھے گی؟

انسان فطرتاً جلد باز ہے چونکہ بدی اور بے راہ روی کا لطف فوراً مل جاتا ہے اگر چہ وہ عارضی ہوتا ہے اور مزید رسوائیوں کا سامان کرتا ہے لیکن نیکی اور دین کا کیف کچھ بعد میں ملتا ہے وہ دائمی اور سرمدی ہوتا ہے۔ لیکن بندہ عجلت باز ہونے کے ناطے معاشرہ کے پھیلائے ہوئے ان بدی کے جالوں میں بڑی جلدی پھنس جاتا ہے۔ (بقول اقبال)

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

داعیان حق! یقین فرمایئے یہ قوم دین کی باغی نہیں ہے۔ یہ مظلوم قوم ہے انہیں دین سے دور لے جانے والی منظم سازشوں نے اپنے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ انہیں دھتکارو نہیں، سینے سے لگاؤ، انہیں دین کے غدار نہ کہو ان کی مجبوریوں کو سمجھو۔ کمال حکمت سے ان راستے کے پتھر ہٹاؤ تاکہ یہ شاہین زیر دام آسکے۔

Marfat.com

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
(اقبال)

دین کا سطحی علم اور ایک مخصوص منہج فکر

جب دین سے دور اس معاشرہ میں ایک بچہ پروان چڑھتا ہے تو ظاہر ہے یا تو اس کی دینی معلومات بالکل ہی صفر ہوتی ہیں یا نہ ہونے کے برابر۔ وہ دین کے متعلق بالکل ہی نابلد ہوتا ہے یا اپنی محدود معلومات کی بدولت یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوتا ہے کہ دین چند مسائل میں جھگڑنے کا نام ہے۔ یہی سطحی علم ایک خاص ذوق کو تخلیق کرتا ہے۔ جس میں وہ حکایات اور مترنم اشعار سن کر ہی خوش ہوتا ہے۔ کسی علمی گفتگو کو پڑھنا یا سننا اس کے ذوق پر گراں گذرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس پر ایسی معلومات کا اثر بالکل سطحی اور عارضی ہوتا ہے۔ جو اس میں قوت عمل پیدا نہیں کرسکتا۔ اسے ایسی روایات تو بہت اچھی لگتی ہیں جن میں کوئی ایک جملہ پڑھ لینا ہی اسکی بخشش کے لیے کافی ہو۔ لیکن دین کے لیے قربانی دینا یا دین کو مکمل طور پر اپنی ذات پر نافذ کرنا اسے بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے اس لیے جب ایک داعی اسے کسی ایک جملے پر بخشش کی بشارت سناتا ہے تو وہ عش عش کر اٹھتا ہے لیکن جب اسے عمل اور حقیقت دین کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منقبض ہوجاتا ہے۔ وہ ظنی قسم کے مسلکی اختلاف پر تو کٹ مرنے کو تیار ہوجاتا ہے مستحب چیزوں پر بے تحاشا دولت لٹا دیتا ہے۔ لیکن دینی فکر کی نشر و اشاعت کے لیے ایک روپیہ بھی خرچ کرنا اسے سوہان روح محسوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس معاشرہ میں ''سہل پسند'' واعظین کے لئے تو بڑی گنجائش ہے لیکن فکر اسلامی کا جذبہ رکھنے والے حضرت کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہوجاتی ہیں۔ بلا شبہ ایک داعی حق کے لیے یہ مرحلہ بڑا ہی تشویشناک اور کٹھن ہے۔

دعوت حکومتی سرپرستی سے محروم

یہ درست ہے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو دعوت کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن دراصل

دعوت و تبلیغ حکومت وقت کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اہل ایمان کے متعلق فرمایا گیا

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (الحج:41)

"وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔

لیکن اب تو حکومت اس فریضہ سے بالکل اعراض کی مجرم ہے اور اگر کسی حد تک یہ شعبہ حکومت کے دائرہ میں آتا بھی ہے تو اتنی پابندیوں کے ساتھ کہ جیسے انہیں دعوت نہیں اپنی حکومتی وکالت کرنا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر ایک ڈاکٹر، ایک انجینئر اور ایک جنرل پیدا کرنے میں حکومت لاکھوں، کروڑوں روپیہ صرف کرتی ہے تو ایک عالم دین اور ایک داعی پیدا کرنے پر کتنے پیسے صرف کرتی ہے؟

جب سے حکومت اس اہم ذمہ داری سے اعراض کی مرتکب ہوئی ہے۔ تو عموماً اس فریضہ کی ادائیگی اس جامعیت اور ہمہ جہتی سے تہی ہوئی ہے جو اس کا طرہ امتیاز اور روح رواں ہے۔ اور اس فساد اور بگاڑ کی کئی شکلوں کا ظہور ہوا ہے مثلاً یہ باقاعدہ ایک پیشہ کی شکل اختیار کر گئی دیگر کاروبار کی طرح اس کے بھی نرخ مقرر ہونے لگے الا ماشاء اللہ۔ تقریر و تحریر میں مقصدیت یا جذبہ ابلاغ سے بڑھ کر اس چیز کو زیادہ اہمیت دی جانے لگی کہ میرے سامعین یا قارئین کس چیز سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ بقول اقبال

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

دعوت اور حکومتی رکاوٹیں

نہ صرف یہ کہ حکومت نے اس اہم ذمہ داری سے روگردانی کی ہے بلکہ بسا اوقات یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ حکومت دعوت کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں کھڑی

Marfat.com

کردیتی ہیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یورپ کوصرف اسلام کی بیداری سے ہی خطرہ ہےاور بدقسمتی سے ہماری حکومتوں کی پالیسیاں ادھر سے ہی بنتی ہیں۔تو وہ اسلام کی دعوت وارشاد کے لیے ممد ومعاون کیسے ثابت ہوسکتی ہیں۔یہی وجہ کہ حکومتیں فضول کاموں پر کروڑوں روپے لگادیتی ہیں لیکن دعوت وتبلیغ کے کام پر ایک روپیہ صرف کرنا بھی پیسے کا ضیاع خیال کیاجاتاہے۔

حکومت نے جولازمی نصاب تعلیم قوم کودیا ہے۔اسے پورا پڑھ لینے کے باوجود بھی طالب علم دین کی ضروری معلومات سے محروم ہی رہتا ہے۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف
(اقبال)

جمعہ کی بجائے اتوار کی چھٹی سے ایک تو جمعہ کی نماز پر بھی منفی اثر پڑا ہے میری مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی دفتر میں ہی جمعہ گزرجاتا ہے کیونکہ صاحب بیٹھے ہوتے ہیں تو عملہ کیا کرے؟ اور جمعہ کا خطبہ سننا تو لوگوں کے لیے بہت ہی مشکل ہوگیا ہے۔جبکہ عصر حاضر میں دعوت وارشاد کا یہی ایک مرکزی ذریعہ ہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ نئی نسل کے ذہنوں سے جمعہ کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہےاور چھٹی کے مسئلہ میں مسلمانوں کاتشخص بری طرح مجروح ہوا ہے۔چونکہ حکومتی عہدوں پر فائز اکثر حضرات جذبہ دین سے محروم ہوتے ہیں اس لیے وہ دین کوکوئی اہمیت دیتے ہی نہیں ہیں۔

داعیان حق کی غربت اور اسکے نفسیاتی اثرات

ایک حکایت ہے کہ ایک آدمی گدھے پر کوئی وزن لادے جارہا تھا راستے میں ایک آدمی ملا۔اس نے پوچھا کیالادے جارہے ہو۔اس نے جواب دیاایک طرف گندم ہےاور ایک طرف مٹی۔اس نے کہامٹی کیوں لادی ہے۔کہنے لگاوزن برابر کرنے کیلئے۔اس نے کہااللہ کے بندے!تم نے خواہ مخواہ گدھے پراتنا بوجھ لاداہوا ہے۔اگرتم گندم ہی آدھی

Marfat.com

آدھی کر لیتے تو وزن بھی برابر ہو جاتا ہے اور بوجھ بھی کم ہو جاتا۔

اس نے کہا جناب! آپ تو بڑے دانشمند آدمی لگتے ہو۔ اچھا بتاؤ تمہاری زمین کتنی ہے۔ اس نے جواب دیا میری کوئی زمین نہیں۔ اس نے کہا اچھا آپ کوئی بہت بڑے تاجر ہوں گے۔ اس نے جواب دیا نہیں میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔

جب اس پر واضح ہو گیا کہ یہ واقعی ایک غریب اور تنگدست آدمی ہے۔ تو اس نے کہا تم اپنی عقل اپنے پاس رکھو اور میں جیسے جا رہا ہوں مجھے ایسے ہی جانے دو۔

یہ حکایت کوئی لطیفہ ہی نہیں انسان کی بہت بڑی نفسیاتی کیفیت کا تذکرہ ہے۔ کہ غریب اور تنگدست آدمی کی بات کتنی ہی باوزن کیوں ہو، عموماً اسے رد کر دیا جاتا ہے۔

میری غربت نے اڑایا ہے میرے فن کا مذاق
تیری دولت نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار سب سے پہلے قبیلوں کے سردار ہی کرتے تھے کیونکہ کسی غیر سردار کی بات ماننا وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اور قریش کے سردار بھی تو یہی کہتے تھے کہ قرآن مجید آخر کسی سردار پر کیوں نہ اتارا گیا۔

دعوت کے راستے میں دیگر رکاوٹوں کے علاوہ ایک رکاوٹ اہل دعوت کی تہی دستی بھی ہے۔ اگرچہ درحقیقت قرآن وسنت کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو قرآن حکیم کا علم دیا گیا لیکن اس نے پھر بھی اپنے آپ کو کسی سے کم سمجھا تو اس نے نعمت قرآن کی قدر نہ کی۔

اس حقیقت کے باوجود اہل ثروت کے لیے داعی کی عسرت قبول دعوت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ آپ فرض کریں کہ اگر کوئی سردار، صدر یا وزیراعظم صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور وہ اقامت صلوٰۃ کا حکم دے تو لوگوں کے دلوں پر اس کی بات کا کتنا اثر ہوگا اور کسی امام یا خطیب کا یہی کہنا کیسے صدا بصحرا ثابت ہوگا۔

عقائد میں بگاڑ اور لوگوں کی سہل پسندی

اگر عقیدہ پختہ نہ رہے تو عمل میں کبھی بھی پختگی نہیں آ سکتی۔ جب سے فن بن جانے کے سبب دعوت مقصدیت سے خالی ہوئی ہے۔ لوگوں کو دین کی جامع اور مکمل دعوت کی جگہ بعض مخصوص امور کی دعوت دی جا رہی ہے۔ قرآن وسنت کے مفاہیم کو مسخ کر کے خود ساختہ مفاہیم قرآن وسنت پر منطبق کیے جا رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ تو لوگ رحمت الٰہی کو ہی تمام گناہوں کے ارتکاب کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ کی شفاعت کو ہی غلط معنی پہنا کر اپنے آپ کو ہر عمل صالح سے بے نیاز کرتے جا رہے ہیں۔ کسی اللہ والے سے نسبت ہی بخشش کے لیے کافی سمجھ لی جاتی ہے۔ جو خود اہل اللہ کی دعوت اور فکر کے سراسر منافی ہے۔ اتنی سہل پسند طبیعتوں کے سامنے دین کے جامع تصور کو پیش کرنا اور حقیقی امور کی طرف دعوت دینا کتنا صبر آزما اور مشکل مرحلہ ہے۔

اگر جنت کے راستے اتنے ہی سہل اور آسان ہوتے جتنے سمجھ لیے گئے تو باری تعالیٰ یوں نہ فرماتا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ (البقرہ:214)

”کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر (ابھی) ان لوگوں جیسی مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے پہلے گذر گئے۔ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اسکے ساتھ اہل ایمان کہہ اٹھے اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے“۔

قدم راہ محبت میں نہ رکھ میر
سر جاتا ہے گام اولیں میں

Marfat.com

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

فرقہ پرستی پھیلنے کے روشن امکانات

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جو فرد یا گروہ دین کے جامع تصور کو ترک کر کے صرف فرقہ پرستی کی آگ بھڑکانے میں مصروف ہو جائے۔ تو بڑی بڑی لابیاں اس کی سرپرستی کو موجود ہوتی ہیں۔ لوگ اپنے مخصوص ذوق کے تحت اس کی طرف بھاگتے چلے آتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے اس کے راستے میں معاشی اور معاشرتی رکاوٹیں ہمالہ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں اپنے مشن کی نشر و اشاعت کے لیے ایک پمفلٹ بھی تقسیم کرنا اس کے لیے جوئے شیر لانے سے مشکل بن جاتا ہے جبکہ فرقہ پرست گروہ اور تنظیم کو سائیکل سے پجیرو تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

بعض علماء کا قابل نفرت رویہ

جس بندے سے کسی کی مذہبی عقیدتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اسی کو عمل کا نمونہ بناتا ہے۔ اس کی نظر میں صداقت اسلام کی دلیل اسی کی ذات ہوتی ہے۔ عقیدتوں کے اس عروج پر اگر وہ عالم دین، پیر طریقت یا مفکر اسلام کوئی ایسا رویہ استعمال کرتا ہے جو اس کے شایان شان نہ ہو لوگ اس سے تو متنفر ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن یہی چیز کبھی کبھی لوگوں کی دین سے دوری کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

اور

امتی باعث رسوائی پیغمبر ﷺ ہیں

لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر دین کی تاثیر اتنے بڑے عالم، فاضل اور مفکر

Marfat.com

کو اچھا انسان نہیں بنا سکی تو شاید دین صرف الفاظ کا ہی کھیل ہے۔ پھر جب بھی کوئی داعی انہیں دعوت الی اللہ دیتا ہے تو لوگ بجا طور پر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھی سیاسی یا معاشی مفادات حاصل کرنے کی ایک سیڑھی ہی بنائے گا اور داعی کی بات بے وزن ہو جاتی ہے۔

تعلیمات تصوف سے دوری

تصوف ہی اسلام کا مغز اور ایمان کی روح ہے۔ جب سے تصوف کے جانشینوں نے اسے عموماً جلب زر کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ ہوس دنیا، تکبر، ریا اور شہرت و ناموری کے عفریت نسل انسانی کو اچکتے جا رہے ہیں۔ ان بیماریوں کا علاج اور صرف تصوف کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ دعوت کی رکاوٹوں میں ایک اہم رکاوٹ مدعو اور جب تک معاشرہ میں تصوف کا رنگ نہ آئے، تقریر و تحریر تصوف کی چاشنی سے خالی ہو تو دعوت کیسے موثر اور انقلاب آفرین ہو سکتی ہے۔

ایک داعی کو ان تمام رکاوٹوں کا بھرپور احساس اور شعور ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کمال حکمت اور دانشمندی سے عمل دعوت سرانجام دے سکے۔

امکانات دعوت

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"نبی کریم ﷺ بیت اللہ کے سائے میں چادر سر کے نیچے رکھے آرام فرما رہے تھے۔ ہم آپ کے پاس شکایت لیکر حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ ہمارے لیے خدا سے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے۔ آپ اس ظلم کے خاتمہ کی دعا کیوں نہیں فرماتے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کے لیے گڑھا کھوہ جاتا۔ پھر اس کو اس گڑھے میں کھڑا کردیا جاتا ہے۔ پھر آرا لایا جاتا اور اس کے جسم کو چیر دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے کردیئے جاتے۔ پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتا۔ اور اس کے بدن پر لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت کو چیرتے ہوئے ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے۔ مگر وہ خدا کا بندہ اپنے دین سے نہ پھرتا۔ خدا کی قسم! یہ دین غالب ہوکر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستے ہیں اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہوں کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا کر نہ لے جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ تم جلدی مچا رہے ہو" (صحیح بخاری رقم الحدیث)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہی مفہوم ان زوردار الفاظ میں بیان فرمایا گیا۔

لایبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله کلمة الاسلام (مشکوٰۃ، رقم الحدیث:37)

Marfat.com

"سینہ دھرتی پر کوئی کچایا پکا گھر ایسا نہیں بچے گا مگر یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل کرے گا"۔

کارِ دعوت کی مذکورہ تمام تر مشکلات کے باوجود دعوت پھیلنے کے امکانات کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔ ویسے بھی قانون قدرت

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الانشراح:6-5)

"پس مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے"۔

یہاں اللہ نے العسر کو دونوں جگہ معرفہ اور یسر کو دونوں جگہ نکرہ بیان فرمایا ہے۔ معرفہ خاص اور نکرہ عام ہوتا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسانیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور مشکلات بہت ہی کم ہوتی ہے، اس آیہ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک تھوڑی مشکلات بہت سی آسانیوں کے دروازے کھولتی ہیں۔

اندھیری رات کی تاریکیوں سے مت گھبرا
بڑھیں گے حد سے اندھیرے تو روشنی ہوگی

راہ دعوت کو بیان کرنے کا مقصد داعی کو مایوسی کا سبق دینا نہیں تھا بلکہ صرف ان مشکلات کا احساس دلانا تھا کہ کارِ دعوت کو پھولوں کی سیج نہ سمجھے بلکہ اس کی تمام تر مشکلات کا بھرپور شعور پیدا کر کے سوئے منزل بڑھتا ہی رہے۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

ورنہ امکانات کا دائرہ مشکلات کی نسبت بہت ہی وسیع ہے۔ امکانات کی چند جہتیں ملاحظہ ہوں۔ کیونکہ ان میں داعی کے لیے ایک نوید مسرت بھی ہے اور متنبہ رہنے کا سامان بھی۔ کہ وہ ان امکانات سے بھرپور استفادہ کرے اور تکمیل دعوت کی منزل کی طرف بڑھتا ہی چلا جائے۔

Marfat.com

فطرت کی پکار

کسی بھی چیز سے فطرت کا ظہور ایسے ہی ہوتا ہے جیسے آگ سے گرمی یا برف سے ٹھنڈک کا ظہور۔ آپ کسی مصنوعی ذریعہ سے ان چیزوں کو کچھ وقت کے لیے دبا تو سکتے ہیں لیکن کلیۃً ختم نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی انسان کی اصل فطرت اسلام ہے۔ اگرچہ قدم قدم پر اسے بہکانے اور بھٹکانے کے لئے بڑے بڑے جال بچھا دیئے گئے ہیں، پھندے لگا دیئے گئے ہیں لیکن جونہی اسے اس کی اصل فطرت کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تو انسان اتنے ہی اشتیاق اور والہانہ انداز سے لوٹتا ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے یا بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے۔

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے، تشنہ مضراب ہے ساز
(اقبال)

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

بدی کی ہر دعوت، وہ کفر کے رنگ میں ہو یا فسق کے روپ میں۔ دراصل ایک مصنوعی چیز ہے جیسے سمندر کے پانی سے پیاس بجھانے کی سعی ناتمام۔ لیکن اسلام یا نیکی کی دعوت فطرت کی طرف بلانا ہے جیسے پیاسے کا پانی کی طرف لوٹنا۔ بات صرف یہ ہے کہ بد، بدی کے پھیلانے میں جس محنت اور مشقت کا اظہار کرتا ہے۔ نیکی اور خیر کے داعی عموماً اس جواں ہمتی اور مردانگی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ورنہ اصل چیز نیکی ہے نہ کہ برائی۔

فرض کریں ایک نشے کا عادی شخص کسی محلے میں آ بستا ہے وہ لوگوں کو نشے پر لگاتا رہتا ہے نہ کسی گالی کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی تنقید کو خاطر میں لاتا ہے۔ لیکن اگر نیکی کے داعی اور حق کے مبلغ اتنی استقامت کا بھی مظاہرہ نہ کریں تو کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے۔ نیکی کے داعی نیکی پھیلانے سے قطعاً گریز نہ کریں کیونکہ یہی دراصل فطرت انسانی کی پکار ہے۔

Marfat.com

اسلام دین فطرت

انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اسی کی عملی شکل کا نام اسلام ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

"اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے اس کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ (الروم:30)

جن لوگوں نے ترک دنیا کا درس دیا یا رشتہ ازدواج کو نظر کراہت سے دیکھا۔ انہیں ان معاملات میں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ پابندیاں غیر فطری اور مصنوعی تھیں۔ لیکن اسلام ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ ترک دنیا کا درس نہیں دیتا بلکہ دنیا میں اس حد تک گم ہوجانے کی مذمت کرتا ہے جو اسے خدا کا باغی بنادے۔ وہ بچوں سے محبت کا منکر نہیں بلکہ اس چیز کا متقاضی ہے کہ خدا کی محبت ہر چیز پر غالب رہے اور یہ چیز عین فطرت ہے کیونکہ دنیا کی تمام محبتیں انسان میں یہاں آ کر پیدا ہوتی ہیں لیکن محبت باری تعالیٰ تو عہد الست سے ہی اس کی فطرت کی پکار ہے۔ اگر اسلام کے اس اعتدال کو اپنا لیا جائے تو یہ چیزیں دین ہیں نہ کہ دنیا

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے۔
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں (اکبر)

اور فطرت سے ہٹ کر کوئی بھی دعوت ایک خودساختہ نظریہ ہے نہ کہ دعوت دین۔ اگر داعی کو یہ یقین ہوجائے کہ انسان کی فطرت کا عملی لائحہ عمل صرف میرے پاس ہی ہے تو اس کے جذبوں میں ایک روانی آ جائے گی۔ اور اسلام کی یہ خاصیت اپنے اندر دعوت کا ایک بہت بڑا امکان رکھتی ہے۔

امریکہ کے ایک تعلیم یافتہ شخص مسٹر گیری ملر نے اسلام قبول کیا۔ وہ پہلے عیسائی تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا تو انہوں نے جواب

دیا میں نے مذہب کو نہیں بدلا بلکہ میں اپنے اصلی مذہب کی طرف واپس آیا ہوں۔

سائنسی شواہد اور امکان دعوت

اسلامی تعلیمات کوئی ایسی چیز نہیں کہ جدید ترقیاں اور سائنسی انکشافات ان میں شکوک وشبہات کی دراڑیں ڈال دیں۔ بلکہ سائنسی انکشافات تو اسلام کے حسن کو مزید نکھار رہے ہیں۔ ایک داعی ان کی مدد سے دعوت کا دائرہ بڑا ہی وسیع کرسکتا ہے۔ دیگر مذاہب کی محرف تعلیمات تو سائنسی انکشافات کے ساتھ ساتھ شکوک وشبہات کی دلدلوں میں پھنستی چلی جاتی ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات کا حسن سائنسی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اور نکھر کر سامنے آتا جاتا ہے۔

فرانس کے ڈاکٹر جریئیہ نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے اپنے قبول اسلام کی وجوہات بتائیں۔ جو ریاض کے عربی ہفت روزہ الدعوۃ میں شائع ہوئیں انہوں نے کہا:

انی تتبعت کل الآیات القرانیة التی لها ارتباط بالعلوم الطبیعة والصحیة والطبیعة التی درستها من صغری واعرفها جیلا فوجدت هذه الآیات منطبقة کل الانطباق علی معارفنا الحدیثة لقد اسلمت لاننی تیقنت ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اتی بالحق الصراح من قبل الف سنة دون معلم او مدرس من البشر ولوان کل صاحب فن من الغنون و علم من العلوم قارن کل الآیات القرانیة المرتبطة بما یعلم کما فعلت انا لاسلم بلاشک ان کان عاقلا خالیا عن الاغراض

(الدعوۃ۔ الریاض 9 دسمبر 1985ء بحوالہ دعوت اسلام ص 104)

"میں نے قرآن کریم کی ان تمام آیات کا تتبع کیا جن کا تعلق مختلف طبیعاتی علوم سے ہے۔ جن کو میں نے کم عمری سے پڑھا ہے اور جنہیں میں اچھی طرح

Marfat.com

جانتا ہوں۔ میں نے پایا کہ قرآن کی یہ آیات ہماری جدید معلومات سے کلی مطابقت رکھتی ہیں میں نے اسلام قبول کر لیا کیوں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ حق لیکر آئے۔ وہ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے انہوں نے کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ پھر بھی ان کی ہر بات بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور اگر علوم کے ماہرین یہ کریں کہ وہ قرآن کریم کی آیات کا اپنی معلومات سے تقابل کریں جیسا کہ میں نے کیا تو یقیناً وہ سب اسلام قبول کرلیں گے بشرطیکہ وہ اغراض سے خالی ہو کر اسے دیکھیں''۔

ایک اور نو مسلم جیفرے لنگ اسی پس منظر میں فرماتے ہیں: ''بائبل میں ہم پڑھتے ہیں۔ کہ طوفان نوح کے وقت زمین پر موجود ہر جاندار کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ انسان، جانور، رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور فضا میں اڑنے والے پرندے۔ ان سب کا زمین پر نام و نشان تک نہیں رہنے دیا گیا تھا صرف حضرت نوح زندہ بچے تھے اور وہ جو کشتی میں ان کے ہمراہ سوار تھے (عہد نامہ قدیم ۷: ۲۳) بائبل کے پرانے نسخوں میں جو تاریخی اعداد و شمار دیئے گئے ہیں ان کے مطابق یہ طوفان بائیسویں صدی قبل مسیح سے پہلے نہیں آنا چاہیے تھا۔ (بوکائی: دی بائبل دی قرآن اینڈ سائنس، ۳۲: ۵) لیکن سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس عہد سے لے کر آج تک خطہ زمین پر بہت سی تہذیبیں آباد رہی ہیں۔ اور یوں بائبل میں بیان کیے جانے والے طوفان نوح کی تردید ہو جاتی ہے اور جہاں تک اس قرآن کا تعلق ہے قرآن پاک بتاتا ہے کہ صرف قوم نوح تباہ ہوئی تھی اور یہ بات ہمارے آج کے علم سے کسی طرح بھی متصادم نہیں (۲۵: ۳۷)۔ (سر تسلیم خم ہے، ص 78)

اسی ضمن میں ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

اسی قرآن مجید میں ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرنے والے فرعون کو غرق کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ (یونس:92)

''آج ہم تیری لاش کو بچا کر رکھیں گے تا کہ تو بعد والوں کے لیے ایک نشان اور درس عبرت بن جائے۔ بے شک لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہمارے نشانات سے بے خبر ہے''۔

قدیم مفسرین نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم چونکہ فرعون کی غلامی میں رہتی تھی اور فرعون خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ اس لیے وہ لوگ فرعون سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھے کہ انہیں اگر یہ بتایا جاتا کہ فرعون مر گیا تو وہ اس بات کا یقین نہ کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش ان لوگوں کے سامنے پھینک دی تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ فرعون مر گیا ہے۔

لیکن اس میں ایک پہلو ایک پیش گوئی کا بھی تھا کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور لوگوں کے لیے سامان عبرت ہوگی۔ قرآن حکیم کی پیش گوئی انیسویں صدی کے آخر میں پوری ہوئی۔ فرعون موسیٰ (ریمس ثانی) کا بدن مصر کے اہرام میں موجود تھا ۱۸۹۸ء میں وہ مستشرقین کی مدد سے نکال کر قاہرہ کے میوزیم میں شیشہ کے کیس میں رکھا گیا۔ جدید سائنس نے کسی پرانی چیز کی عمر معلوم کرنے کے لیے جو آلہ ایجاد کیا اسے کاربن ڈیٹنگ کا نام دیا گیا۔ جب اس لاش پر کاربن ڈیٹنگ کا عمل کیا گیا۔ تو معلوم ہوا یہ اسی فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں غرق ہوا تھا۔ اس طرح اس آیہ کریمہ کا مفہوم مزید واضح ہو گیا۔

اس کے برعکس اٹلی کے قدیم شہر تورن (Turn) کے بڑے مسیحی چرچ میں ۱۵۷۸ء سے ایک کھدر کا پرانا کپڑا رکھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر ایک انسانی خاکہ نظر آتا ہے۔ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہے ۱۹۰۲ء میں بیالوجی کے دو مسیحی پروفیسر اس کی تحقیق پر متعین ہوئے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہے۔

موجودہ زمانہ میں اس کفن پر جب کاربن ڈیٹنگ کا طریقہ آزمایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کپڑے کی عمر صرف چند سو سال ہے۔ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہوتا تو اس کی عمر تقریباً دو ہزار سال ہوتی۔ اس طرح جدید سائنس نے عیسائی نظریہ رد کر دیا۔ اسکی تفصیل ٹائمس آف انڈیا کے شمارہ جنوری ۱۹۹۱ء میں آ چکی ہے (عظمت اسلام ص 92 (ملخص)

سائنسی انکشافات صداقت اسلام پر دلیل بھی ہیں اور امکانات دعوت کو وسعت دینے والے بھی، اس موضوع پر موریس بوکائیے کی تصنیف بائبل، قرآن اور سائنس اور جیفرے لینگ کی سٹر گلنگ ٹو اسلام جس اردو ترجمہ ''سر تسلیم خم ہے'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

ذرائع نشر و اشاعت اور دعوت

پہلے دور میں دعوت کا کام کرنے کے لیے بہت زیادہ جد و جہد اور محنت درکار تھی۔ داعی کو پیغام حق پہنچانے کے لیے بڑے بڑے طویل اور جاں گسل سفر طے کرنے پڑتے تھے۔ جب کہ آج ذرائع نشر و اشاعت کی کثرت اور جدت نے دعوتی کے کام کو بڑا ہی آسان کر دیا ہے۔ بڑے ہی قلیل وقت میں ایک کتاب یا دعوتی پیغام پوری دنیا میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ عالمی جرائد سے اگرچہ عموماً مذہب کے خلاف ہی کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی کسی نہ کسی حکمت عملی کے تحت دعوتی مضامین چھاپ دیتے ہیں۔ داعی کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے آڈیو کیسٹ وڈیو کیسٹ اور انٹرنیٹ کار دعوت میں بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہیں عصر حاضر میں ہی آڈیو کیسٹ کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلاب کا منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر امت مسلمہ کے دل میں کار دعوت کی ادائیگی کا احساس اور شعور پیدا ہو جائے تو یہ تمام ذرائع ان کے لیے بڑے ہی مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

فتنہ پرور لابیاں اپنا لٹریچر کس کثرت کے ساتھ شائع کر رہی ہیں اور میڈیا سے بھرپور

Marfat.com

استفادہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ٹی۔وی کے بعض چینل تک خریدے جا رہے ہیں۔ گھر گھر اپنی فکر مسموم پھیلانے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر اپنا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آخر حق کے داعی کب خواب غفلت سے بیدار ہوں گے۔ وہ فطرت کی ان سہولتوں سے کب فائدہ اٹھائیں گے۔

کیا یہ تعجب اور افسوس کا مرحلہ نہیں کہ
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا
(اقبال)

مواقع دعوت کا شعور

پیاسا ہر جگہ پانی کی ہی تلاش کرتا ہے۔ اور فطرت کے قانون کے تحت کوشش کرنے والا پا بھی لیتا ہے۔ اگر داعی ہر موقع دعوت کا شعور کرے اور اسکی قدر کرے تو دعوت کے امکانات کا دائرہ بڑا ہی وسیع اور پھیلتا ہوا نظر آئے گا۔ ایک افسر اپنے ماتحت کو، ایک ٹیچر اپنی کلاس کو، ایک لیڈر اپنی قوم کو، بڑا چھوٹے کو، دوست دوست کو، ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو اگر فریضہ دعوت بھرپور انداز سے پہنچانا شروع کر دے تو حق کا نور پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ اگر لوگوں کے اجتماع میں دعوت کی عظمت اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی دعوت کے عظیم مواقع ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ میلوں میں جا کر اور حج کے اجتماع میں جا کر لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے تھے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ انہیں پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ اگر ایک آدمی بھی اسلام قبول کر لے تو یہ سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔ کسی بھی موقع پر دعوت سے انحراف کرنا داعی کے شایان شان نہیں ہے۔ پھول جہاں بھی ہو خوشبو دیتا ہے۔ داعی اگر ہر موقع پر داعی کی ہی شان سے جلوہ گر ہو تو کار دعوت اپنی آخری حدوں کو پہنچ سکتا ہے۔

Marfat.com

اسلام کا فطرت کے عین مطابق ہونا اور دعوت کے یہ عظیم امکانات اس بات کا بین اور منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام ہر اس گھر میں پہنچ کر رہے گا جہاں دن کی روشنی یا چاند کی چاندنی پہنچتی ہے۔

حق کے داعی یقین رکھیں کہ جیسے کوئی بھی بندہ صبح کے طلوع ہونے کو اور بارش کے برسنے کو نہیں روک سکتا۔ کیونکہ یہ منصوبہ خداوندی ہے ایسے ہی کوئی بھی اسلام کے پھیلنے کو اور حق کا بول بالا ہونے کو نہیں روک سکتا کیونکہ یہ بھی منصوبہ خداوندی ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾ (التوبہ:33)

"اسی نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ اسے سارے دین پر غالب کر دے۔ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی نا گوار ہو"۔

دین تو پھیلے گا اور پھیل کر ہی رہے گا دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے دین کو پھیلانے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟

Marfat.com

واقعات دعوت

اسلام ہر آدمی کی فطرت کی پکار ہے۔ یہ ہر آدمی کا اپنا مذہب ہے۔ اسلام کو پالینا اپنے آپ کو پالینے کا دوسرا نام ہے۔ اسلام کو اپنانا اپنی ہی شخصیت کی تکمیل ہے۔ اور اپنی شخصیت کی تکمیل کتنا خوش کن مرحلہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کی رکاوٹیں حائل نہ ہو جائیں۔ مدعو کے کانوں میں روئی ٹھونس کر اسے حق سننے سے دور کرنے کی سعی ناتمام نہ کی جائے۔ ضد اور انا پرستی کے سبب اسلام کی تصویر ہی بدل کر نہ رکھ دی جائے۔ تو ہر انسان اسلام کی پکار پر ایسے ہی دوڑتا ہے جیسے بچہ ماں کی طرف۔ کیونکہ اسلام اسکی فطرت کی پکار ہے اور اس کا اپنا مذہب ہے۔ اور اسلام کا انکار تو اپنا انکار ہے اور اپنا انکار کس قدر مشکل اور جان لیوا مرحلہ ہوتا ہے۔

یقین فرمائیں اگر تعصب راستے کی دیوار نہ بنے اور اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش کر دی جائے تو لوگ ایسے ہی اسلام کی طرف دوڑیں گے جیسے پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ کیونکہ قبولیت اسلام کی راہ میں حائل تو وہ گمراہ کن لٹریچر ہے جس میں اسلام کی تصویر مسخ کر کے اسے پیش کیا جاتا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان ہو اور اسلام کا انکار کرے۔

تاریخ سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں اسلام کی کشش کا ایک اظہار بھی ہے اور ایک داعی کے لیے مسرت کا سامان بھی۔

بارگاہِ نبوت ہے۔ حضور سید عالم ﷺ تکیہ لگائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں جلوہ فگن ہیں۔ ایک بدو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ مسجد نبوی کے دروازے کے قریب اس

Marfat.com

نے اونٹ بٹھایا اس کا گھٹنا عقال سے باندھ دیا۔ پھر لوگوں سے دریافت کیا ایکم بن عبدالمطلب۔ تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند کون ہے؟ لوگوں نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ عرض کرنے لگا یا حضرت! میں آپ سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرے سوال میں شدت ہوگی آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں اجازت ہے۔ ''جو چاہو پوچھو'' اس نے کہا آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ پھر اس نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور جس نے یہ فلک بوس پہاڑ نصب کیے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ان بتوں کی عبادت کا طوق گلے سے اتار کر پھینک دیں۔ جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ ہم اغنیاء سے مال لے کر فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم ماہِ رمضان کے روزے رکھیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے اس نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں جو صاحب استطاعت ہو وہ فریضہ حج ادا کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں میرے رب نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے۔ اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات سننے کے بعد اسے یارائے ضبط نہ رہا وہ فوراً پکار اٹھا۔

امت و صدقت انا ضمام ابن ثعلبه

''میں سچے دل سے آپ پر ایمان لایا ہوں۔ اور آپکی تصدیق کرتا ہوں۔ میرا نام ضمام ہے میں ثعلبہ کا بیٹا ہوں''۔

انہوں نے واپس جا کر اپنے قبیلے کو دعوت اسلام دی چند ہی دنوں میں ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم رقم الحدیث 62)

اگر تعصب یا مفادات نے فطرت سلیمہ کو مسخ نہ کر دیا ہو تو اسلام کا پیغام سن کر ہر انسان وہی پکارے جو ضمام بن ثعلبہ پکارے امنت و صدقت میں ایمان لے آیا اور میں نے تصدیق کی۔ ایک اور منظر ملاحظہ ہو۔

قبیلہ بنی دوس کے سردار طفیل بن عمرو فرماتے ہیں:

''میں کسی کام کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ جب اہل مکہ کو پتہ چلا کہ قبیلہ دوس کا رئیس ان کے شہر میں آیا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ بھی حضور ﷺ کی دل موہ لینے والی باتیں سن کر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دے اور کہیں اسلام قبول نہ کر لے۔ اس لیے انہوں نے میرا گھیراؤ کر لیا۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتے۔ اور مجھے حضور ﷺ سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے وہ مجھے کہتے کہ تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ آج اس شہر میں ایک ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے۔ جس نے یہاں کا امن وسکون غارت کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی کا بیٹے کو بیٹے کا اور بیوی کو خاوند کا باغی بنا دیا ہے وہ (نعوذ باللہ) بڑا ماہر جادوگر ہے پھونک مارتا ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت وحقارت کے شعلے بھڑ کنے لگتے ہیں ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں آپ بھی اس کے جال میں پھنس نہ جائیں۔ اور آپ کا قبیلہ اس المیہ سے دوچار ہو جائے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ انکی مجلس میں بیٹھیں اور نہ ان سے گفتگو کریں اور نہ ان کی کوئی بات سنیں۔

طفیل کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اتنی مرتبہ مجھے کہی کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں ایسے شخص سے کبھی ملاقات نہ کروں گا، نہ اس سے گفتگو کروں گا اور نہ اسکی مجلس میں بیٹھ کر اسکی باتیں سنوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تا کہ غیر شعوری طور پر بھی اس کی آواز میرے کانوں تک نہ ٹکرائے۔ میں نے ان گلی کوچوں میں آمدورفت

بھی بند کر دی جہاں حضور کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔

ایک روز صبح سویرے میں مسجد حرام میں گیا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ﷺ کعبہ کے سامنے نماز ادا کر رہا تھا۔ میں ان کے کچھ قریب کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی رسیلی آواز میرے کانوں میں پڑے اور میرے دل میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے حضور ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ قرآن کریم کے میٹھے بول سن کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا شروع کی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا:

"اے طفیل! تیری ماں تجھے روئے! بخدا تو دانا ہے اور اپنے ملک کا نغز گو شاعر ہے۔ تجھ پر کلام کا حسن اور اسکی قباحتیں ملتبس نہیں ہو سکتیں۔ میں کیوں اپنے آپ کو اسی ہستی کے کلام سننے سے باز رکھ رہا ہوں۔ مجھے ان کا کلام سننا چاہیے۔ اگر وہ کلام اچھا ہوا تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔ اور اگر قبیح ہوا تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ چنانچہ میں کچھ وقت حرم شریف میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ میں حضور کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے میں نے دستک دی اور حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا محمد ﷺ! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنائی ہیں۔ وہ مجھے اس بات سے ڈراتے رہے کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ ورنہ آپ کا جادو مجھ پر بھی اثر کر جائے گا اور میں کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اس خوف سے کہ آپکی آواز غیر شعوری طور پر میرے کان میں پڑے میں نے کانوں کے سوراخ روئی سے بند کر دیئے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں آپکے کلام معجز نظام کے سننے سے محروم رہوں۔ اس لیے آج صبح جب آپ نماز میں کلام الٰہی کی تلاوت کر رہے تھے تو مجھے اس کلام کے سننے کا موقع نصیب ہوا۔ میں اب حاضر خدمت ہوں مجھے اپنی دعوت کے بارے میں تفصیل سے بتایئے نبی رحمت ﷺ نے مجھے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کی تلاوت فرمائی میں نے کہا بخدا! میں

Marfat.com

نے آج تک اس سے بہتر اور اس سے دلنشیں کلام کبھی نہیں سنا۔ میں اب اسلام قبول کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور آپ ﷺ اس کے سچے رسول ہیں" (زادالمعارج:3 ص 627 بحوالہ ضیاء النبی ج 4 ص 701)

یقین فرمایئے! اسلام میں وہی کشش اور دلربائی آج بھی ہے جو دوراول میں تھی لیکن چونکہ باہمی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کوتو عالم کفر پر دعوت پیش کرنے کا موقع ہی بہت کم ملا ہے اس لیے یا تو وہ لوگ اسلام کے تعارف سے ہی محروم رہے یا مستشرقین نے جس متعصّبانہ انداز میں اسلام کا تعارف کروایا۔ وہ وہ روئی ہی ہے جو لوگوں نے کان میں ٹھونس لی ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو سن نہ لیں۔ حق کے داعی اگر اسلام کو ان کے سامنے پیش کرنے کا فریضہ سرانجام دیں تو کیسے ناممکن ہے کہ لوگ دوڑے ہوئے اسلام کی طرف نہ لپکیں۔ کبھی بچہ ماں سے دور بھی رہا ہے؟ کبھی پیاسا پانی سے نفرت بھی کرتا ہے؟ دیکھئے! صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ فریقین میں دس سال کے لیے جنگ نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان جنگ اور ٹکراؤ کا ماحول ختم ہوگیا اور اس کی جگہ ایک پرسکون ماحول قائم ہوگیا۔ ایسے حالات اسلامی دعوت کے لیے ہمیشہ انتہائی مددگار ثابت ہوتے ہیں جیسے ہی ٹکراؤ کا ماحول ختم ہوا۔ لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے اس کے ساتھ ہی دعوت کا بند عمل بھی دوبارہ شروع ہوگیا۔ ابن شہاب الزہری فرماتے ہیں "اسلام میں سب سے بڑی فتح حدیبیہ تھی۔ جسے قرآن مجید میں فتح مبین سے تعبیر کیا گیا۔ اس سے پہلے لوگ صرف جنگی حالات سے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اب لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ مومن اور غیر مومن معتدل حالات میں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ اسلام پر گفتگو ہونے لگی۔ جب بھی کوئی شخص اسلام پر بات کرتا وہ اسے سمجھ لیتا۔ اسلام اس کے دل میں اتر جاتا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا۔ اس طرح دو سال کے عرصہ میں اتنے زیادہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جو اس سے پہلے پوری مدت میں نہیں ہوئے تھے۔

(سیرۃ ابن کثیر، ج 3، ص 324)

Marfat.com

مسئلہ اسلام کے قبول کرنے کا نہیں اسلام کے پیش کرنے کا ہے اگر اسلام کی دعوت اس کے اصلی رنگ میں دی جائے تو۔

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے

اسید بن حضیر مدینہ کے ایک سردار تھے۔ جب انہیں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی دعوتی سرگرمیوں کا علم ہوا تو طیش میں آ گئے۔ تلوار سونت لی اور اس مجلس میں پہنچے یہاں قرآن حکیم سنایا جا رہا تھا۔ کہنے لگے آپ لوگ ہمارے شہر میں اس لیے آئے ہو کہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو گمراہ کرو۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑے متحمل انداز میں انکی باتیں سنیں اور بڑے باوقار انداز میں فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں۔ ہماری گفتگو سنیں۔ پھر آپ جو بھی فرمائیں اس کی تعمیل ہو گی۔ اسید کہنے لگے تم نے انصاف کی بات کہی ہے پھر وہاں بیٹھ گئے۔ حضرت معصب بن عمیر نے انہیں قرآن کریم کا ایک حصہ سنایا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے پھر کہنے لگے:

ما احسن هذا الکلام و اجمله

''یہ کلام کتنا خوبصورت اور دلنشیں ہے!''

پھر انہوں نے حضرت معصب سے پوچھا۔ دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا غسل کریں۔ صاف کپڑے پہنیں اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ اسی طرح وہ مشرف باسلام ہو گئے۔

وہ واپس تشریف لے گئے انہوں نے دوسرے سردار حضرت سعد بن معاذ کو بھیج دیا ان کے ساتھ بھی بعینہ یہی معاملہ پیش آیا اور وہ بھی دائرہ سلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام کی فطری دعوت اسی طرح پھیلتی گئی یہاں تک کہ بقول ابن ہشام

فلم تبق دار من دور الانصار الا اسلم اهلها (ایضاً، ج2ص118)

''انصار کے گھروں میں سے ہر گھر میں اسلام کا نور پھیل گیا''۔

اسلام کی یہ حیرت انگیز تاثیر اور اس کی فطرت انسانی سے مطابقت آج بھی پورے

Marfat.com

طمطراق سے اس میں موجود ہے صرف دنیا کو اس کا تعارف کروانا باقی ہے۔

ایک امریکی خاتون روسنا توری جنہوں سے اسلام قبول کیا ہے اور اب وہ مکمل اسلامی طرز پر زندگی بسر کر رہی ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں کیلی فورنیا کے ایک کیتھولک خاندان میں پیدا ہوئی۔ میں اپنے خاندان کے ہمراہ بچپن سے ہی چرچ جاتی۔ میں لوگوں کو مسیح کے اسٹچو کے آگے جھکتا دیکھتی مگر اس سے میرے دل کی تسلی نہ ہوتی۔ لیکن مجھے اس چیز کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ اسٹیچو کے اندر خدا موجود ہے۔ اس وجہ سے میری اپنے خاندان سے اکثر ایک کشمکش جاری رہتی تو میں نے متعدد دیگر مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا اس دوران ابوظہبی سے ایک مسلم خاتون علاج کے لئے لاس اینجلز آئی۔ ان سے میری ملاقات ہوئی۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو انہوں نے مجھے بھی واپسی کی دعوت دی کہ میں بھی کچھ دن ان کے ساتھ ابوظہبی چلوں اس طرح میں ابوظہبی پہنچ گئی۔ وہاں ایک روز ایک عجیب آواز میرے کان میں گونجی۔ میرے پوچھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ ''اذان'' ہے مؤذن پکار رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اسی آواز نے اس خاتون کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ چرچ میں انہوں نے خدا کو ایک اسٹیچو کے اندر محدود دیکھا تھا۔ گویا چرچ کی پکار یہ تھی کہ خدا چھوٹا ہے جبکہ اسلام پکار تھا اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہ بات مجھے اللہ کی عظمت کے عین مطابق نظر آئی۔ چرچ کی تو سال ہا سال کی عبادت انہیں متاثر نہ کر سکی۔ مگر مسجد کا فطرتی پیغام ان کے سینے میں اتر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز

عیسائی تنظیموں نے اعلیٰ تربیت کے ذریعے 6453 مبلغین تیار کر کے افریقی ملک لیبیریا کے دارالحکومت منروویا بھیجے ان کا مشن یہ تھا کہ وہ خاموش تبلیغ کے ذریعے لیبیریا کے دس لاکھ مسلمانوں کو مسیحی مذہب میں داخل کریں۔

یہ مسیحی مبلغین تمام علمی اور مادی ذرائع سے پوری طرح مسلح تھے ان کو اتنا زیادہ کیا گیا

Marfat.com

تھا کہ وہ لیبیری قبائل کی مقامی زبانیں بانیکا، مانکا، منیسکا، کیسکا اور بلیسکا نہایت روانی سے بولتے تھے۔

ان تمام تیاریوں کے باوجود نتیجہ الٹ نکلا۔ ان مسیحی مبلغین کی اکثر تعداد نے وہاں پہنچ کر اسلام قبول کرلیا۔ جس ملک میں وہ مسیحیت کی تبلیغ کرنے بھیجے گئے تھے۔ وہاں اب وہ اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تربیت کے دوران انہیں مختلف مذاہب کا مطالعہ کروایا گیا تھا۔ مگر اس نظام کے تحت انہیں اسلام کی صرف مسخ شدہ تعلیمات ہی سے واقف کروایا گیا۔ لیبیریا میں جب ان کا واسطہ مسلمانوں سے ہوا تو انہیں موقع ملا کہ وہ اسلام کو زیادہ صحیح صورت میں جان سکیں اس واقفیت کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ اور ان کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا۔ جو لوگ مسیحی مبلغ بن کے آئے تھے وہ اسلام کے مبلغ اور اس کے علمبردار بن گئے (العالم الاسلامی، ربیع الثانی 1401ھ بحوالہ دعوت حق ص 84)

فرانس کے ایک مشہور آرٹسٹ نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کا سابق نام برنارڈ جو تھا۔ اور موجودہ اسلامی نام عبدالعزیز رکھا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے اپنے فن سے عشق تھا۔ اور اس کے لیے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں کثرت سے سفر کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مصر گیا۔ اور قاہرہ اور اسکندریہ میں چند روز قیام کیا۔

ایک روز جب میں قاہرہ کی سڑکوں پر چل رہا تھا۔ میرے کان میں ایک پرکشش آواز آئی۔ یہ اذان کی آواز تھی جو مسجد کے مناروں سے بلند ہو رہی تھی۔ اس قسم کی آواز میں نے پہلی بار سنی تھی۔ مجھے مزید جستجو ہوئی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ نماز کی پکار ہے۔ اذان کی آواز اور نماز کے مناظر نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ میں فرانس آیا تو میں نے اسلامی لٹریچر تلاش کر کے اسلام کا مطالعہ شروع کردیا۔ میں نے قرآن کی تلاوت کے کیسٹ بھی سنے ان عربی کیسٹوں کو اگرچہ میں سمجھتا نہ تھا۔ مگر اس کا سننا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس لیے میں ان کو سنتا رہا۔

پھر میں دوبارہ مصر گیا۔ وہاں میں نے الازہر کے علماء کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔

Marfat.com

اب میں محسوس کرتا ہوں کہ سابق "برنارڈ جو" اور موجودہ عبدالعزیز میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اسلامی عقیدے نے میرے طریقے کو بدل دیا ہے۔ تاریکی کے بعد اب میں روشنی میں آ گیا ہوں مجھے اپنے اندر ایک ایسا سکون محسوس ہو رہا ہے۔ جس سے میں اس سے پہلے کبھی آشنا نہ تھا۔ اسلام میری روح اور میرے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔

(الدعوہ جمادی الاولی 1401ھ بحوالہ دعوت حق ص 102)

امریکہ کے مسٹر مفر جن کا اسلامی نام سلیمان شاہد مفر ہے ایک بڑے پر جوش پادری تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے کہا" حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے ہر باشندے لو اسلام کی صحیح صورت دکھانے کی ضرورت ہے۔ آج تک مغرب میں اسلام کو اسکی حقیقی کل میں نہیں دکھایا گیا۔ یہاں لوگ عیسائیت اور یہودیت جیسے بے جان مذاہب سے لتائے بیٹھے ہیں۔ مگر انہیں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام ہا دعوت حکمت اور جرأت سے دی جائے تب یہ امر یقینی ہے کہ مغرب کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے"۔

انگلستان کے اینچ۔ ایف فیلوز کہتے ہیں" اسلام ایک مرتبہ پھر بیدار ہو رہا ہے یہ چیز بت ہوتی جارہی ہے کہ صرف اسلام ہی عہد حاضر کے تقاضوں کو ساتھ لیکر انسان کی ہنمائی کر سکتا ہے۔ باقی سارے مذاہب اور نظریئے اپنی حیثیت کھو چکے ہیں"۔

انگلستان کے ڈاکٹر شیلڈرک جن کا اسلامی نام خالد شیلڈرک ہے۔ انہوں نے 17 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مصنفین بے جا اور بے ضرورت اسلام کی تذلیل کے درپے ہیں۔ اس پر انہیں خیال آیا کہ وہ اسلام سے اس قدر خائف کیوں ہیں؟ اس کا سبب جاننے کے لیے انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے مل کر اسلام کے خلاف سازش کر رکھی ہے چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا:

"آج کون انسان ہوگا جو بدھ مت کا بھکشو بن کر در بدر بھیک مانگتا پھرے یا یسوع کی

Marfat.com

اسلام دین فطرت

انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اسی کی عملی شکل کا نام اسلام ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

''اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے اس کے بنائے ہوئے کو بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ (الروم:30)

جن لوگوں نے ترک دنیا کا درس دیا یا رشتہ ازدواج کو نظر کراہت سے دیکھا۔ انہیں ان معاملات میں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ پابندیاں غیر فطری اور مصنوعی تھیں۔ لیکن اسلام ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ ترک دنیا کا درس نہیں دیتا بلکہ دنیا میں اس حد تک گم ہوجانے کی مذمت کرتا ہے جو اسے خدا کا باغی بنادے۔ وہ بچوں سے محبت کا منکر نہیں بلکہ اس چیز کا متقاضی ہے کہ خدا کی محبت ہر چیز پر غالب رہے اور یہ چیز عین فطرت ہے کیونکہ دنیا کی تمام محبتیں انسان میں یہاں آکر پیدا ہوتی ہیں لیکن محبت باری تعالیٰ تو عہد الست سے ہی اس کی فطرت کی پکار ہے۔ اگر اسلام کے اس اعتدال کو اپنا لیا جائے تو یہ چیزیں دین ہیں نہ کہ دنیا

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے۔
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں (اکبر)

اور فطرت سے ہٹ کر کوئی بھی دعوت ایک خود ساختہ نظریہ ہے نہ کہ دعوت دین۔ اگر داعی کو یہ یقین ہوجائے کہ انسان کی فطرت کا عملی لائحہ عمل صرف میرے پاس ہی ہے تو اس کے جذبوں میں ایک روانی آجائے گی۔ اور اسلام کی یہ خاصیت اپنے اندر دعوت کا ایک بہت بڑا امکان رکھتی ہے۔

امریکہ کے ایک تعلیم یافتہ شخص مسٹر گیری ملر نے اسلام قبول کیا۔ وہ پہلے عیسائی تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا تو انہوں نے جواب

Marfat.com

دیا میں نے مذہب کو نہیں بدلا بلکہ میں اپنے اصلی مذہب کی طرف واپس آیا ہوں۔

سائنسی شواہد اور امکان دعوت

اسلامی تعلیمات کوئی ایسی چیز نہیں کہ جدید ترقیاں اور سائنسی انکشافات ان میں شکوک وشبہات کی دراڑیں ڈال دیں۔ بلکہ سائنسی انکشافات تو اسلام کے حسن کو مزید نکھار رہے ہیں۔ایک داعی ان کی مدد سے دعوت کا دائرہ بڑا ہی وسیع کرسکتا ہے۔ دیگر مذاہب کی محرف تعلیمات تو سائنسی انکشافات کے ساتھ ساتھ شکوک وشبہات کی دلدلوں میں پھنستی چلی جاتی ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات کا حسن سائنسی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اور نکھر کر سامنے آتا جاتا ہے۔

فرانس کے ڈاکٹر جرینیہ نے اسلام قبول کیا۔انہوں نے اپنے قبول اسلام کی وجوہات بتائیں۔جو ریاض کے عربی ہفتہ روزہ الدعوۃ میں شائع ہوئیں انہوں نے کہا:

انني تتبعت كل الآيات القرانية التي لها ارتباط بالعلوم الطبيعة والصحية والطبيعة التي درستها من صغرى واعرفها جيلا فوجدت هذه الآيات منطبقة كل الانطباق على معارفنا الحديثة لقد اسلمت لانني تيقنت ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اتى بالحق الصراح من قبل الف سنة دون معلم او مدرس من البشر ولوان كل صاحب فن من الغنون و علم من العلوم قارن كل الآيات القرانية المرتبطة بما يعلم كما فعلت انا لاسلم بلاشك ان كان عاقلا خاليا عن الاغراض

(الدعوۃ۔الریاض 9 دسمبر 1985ء بحوالہ دعوت اسلام ص 104)

”میں نے قرآن کریم کی ان تمام آیات کا تتبع کیا جن کا تعلق مختلف طبیعاتی علوم سے ہے۔جن کو میں نے کم عمری سے پڑھا ہے اور جنہیں میں اچھی طرح

Marfat.com

جانتا ہوں۔ میں نے پایا کہ قرآن کی یہ آیات ہماری جدید معلومات سے کلی مطابقت رکھتی ہیں میں نے اسلام قبول کر لیا کیوں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ حق لیکر آئے۔ وہ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے انہوں نے کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ پھر بھی ان کی ہر بات بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور اگر علوم کے ماہرین یہ کریں کہ وہ قرآن کریم کی آیات کا اپنی معلومات سے تقابل کریں جیسا کہ میں نے کیا تو یقیناً وہ سب اسلام قبول کر لیں گے بشرطیکہ وہ اغراض سے خالی ہو کر اسے دیکھیں"۔

ایک اور نومسلم جیفرے لنگ اسی پس منظر میں فرماتے ہیں: "بائبل میں ہم پڑھتے ہیں۔ کہ طوفان نوح کے وقت زمین پر موجود ہر جاندار کو تباہ کر دیا گیا تھا۔ انسان، جانور، رینگنے والے کیڑے مکوڑے اور فضا میں اڑنے والے پرندے۔ ان سب کا زمین پر نام و نشان تک نہیں رہنے دیا گیا تھا صرف حضرت نوح زندہ بچے تھے اور وہ جو کشتی میں ان کے ہمراہ سوار تھے (عہد نامہ قدیم ۷:۲۳) بائبل کے پرانے نسخوں میں جو تاریخی اعداد و شمار دیئے گئے ہیں ان کے مطابق یہ طوفان بائیسویں صدی قبل مسیح سے پہلے نہیں آنا چاہیے تھا۔ (بوکائی: دی بائبل دی قرآن اینڈ سائنس، ۲، ۳۲:۵) لیکن سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس عہد سے لے کر آج تک خطہ زمین پر بہت سی تہذیبیں آباد رہی ہیں۔ اور یوں بائبل میں بیان کیے جانے والے طوفان نوح کی تردید ہو جاتی ہے اور جہاں تک اس قرآن کا تعلق ہے قرآن پاک بتاتا ہے کہ صرف قوم نوح تباہ ہوئی تھی اور یہ بات ہمارے آج کے علم سے کسی طرح بھی متصادم نہیں (۲۵:۷،۳۷)۔ (سر تسلیم خم ہے، ص78)

اسی ضمن میں ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

اسی قرآن مجید میں ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرنے والے فرعون کو غرق کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ

Marfat.com

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٢﴾ (یونس:92)

''آج ہم تیری لاش کو بچا کر رکھیں گے تا کہ تو بعد والوں کے لیے ایک نشان اور درس عبرت بن جائے۔ بے شک لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہمارے نشانات سے بے خبر ہے''۔

قدیم مفسرین نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم چونکہ فرعون کی غلامی میں رہتی تھی اور فرعون خدائی کا دعویٰ بھی کرتا تھا۔ اس لیے وہ لوگ فرعون سے اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھے کہ انہیں اگر یہ بتایا جاتا کہ فرعون مر گیا تو وہ اس بات کا یقین نہ کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش ان لوگوں کے سامنے پھینک دی تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ فرعون مر گیا ہے۔

لیکن اس میں ایک پہلو ایک پیش گوئی کا بھی تھا کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور لوگوں کے لیے سامان عبرت ہوگی۔ قرآن حکیم کی پیش گوئی انیسویں صدی کے آخر میں پوری ہوئی۔ فرعون موسیٰ (ریمس ثانی) کا بدن مصر کے اہرام میں موجود تھا ۱۸۹۸ء میں وہ مستشرقین کی مدد سے نکال کر قاہرہ کے میوزیم میں شیشہ کے کیس میں رکھا گیا۔ جدید سائنس نے کسی پرانی چیز کی عمر معلوم کرنے کے لیے جو آلہ ایجاد کیا اسے کاربن ڈیٹنگ کا نام دیا گیا۔ جب اس لاش پر کاربن ڈیٹنگ کا عمل کیا گیا۔ تو معلوم ہوا یہ اسی فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں غرق ہوا تھا۔ اس طرح اس آیہ کریمہ کا مفہوم مزید واضح ہو گیا۔

اس کے برعکس اٹلی کے قدیم شہر تورن (Turn) کے بڑے مسیحی چرچ میں ۱۵۷۸ء سے ایک کھدر کا پرانا کپڑا رکھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر ایک انسانی خاکہ نظر آتا ہے۔ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہے ۱۹۰۲ء میں بیالوجی کے دو مسیحی پروفیسر اس کی تحقیق پر متعین ہوئے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہے۔

موجودہ زمانہ میں اس کفن پر جب کاربن ڈیٹنگ کا طریقہ آزمایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کپڑے کی عمر صرف چند سو سال ہے۔ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفن ہوتا تو اس کی عمر تقریباً دو ہزار سال ہوتی۔ اس طرح جدید سائنس نے عیسائی نظریہ رد کر دیا۔ اسکی تفصیل ٹائمس آف انڈیا کے شمارہ جنوری ۱۹۹۱ء میں آچکی ہے (عظمت اسلام ص 92 ملخص)

سائنسی انکشافات صداقت اسلام پر دلیل بھی ہیں اور امکانات دعوت کو وسعت دینے والے بھی، اس موضوع پر موریس بوکائیے کی تصنیف بائبل، قرآن اور سائنس اور جیفرے لینگ کی سٹرگلنگ ٹو اسلام جس اردو ترجمہ ''سر تسلیم خم ہے'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

ذرائع نشر و اشاعت اور دعوت

پہلے دور میں دعوت کا کام کرنے کے لیے بہت زیادہ جد و جہد اور محنت درکار تھی۔ داعی کو پیغام حق پہنچانے کے لیے بڑے بڑے طویل اور جاں گسل سفر طے کرنے پڑتے تھے۔ جب کہ آج ذرائع نشر و اشاعت کی کثرت اور جدت نے دعوتی کے کام کو بڑا ہی آسان کر دیا ہے۔ بڑے ہی قلیل وقت میں ایک کتاب یا دعوتی پیغام پوری دنیا میں پہنچایا جاسکتا ہے۔ عالمی جرائد سے اگر چہ عموماً مذہب کے خلاف ہی کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی کسی نہ کسی حکمت عملی کے تحت دعوتی مضامین چھاپ دیتے ہیں۔ داعی کو اس طرف بھی توجہ کرنی چاہیے آڈیو کیسٹ ویڈیو کیسٹ اور انٹرنیٹ کار دعوت میں بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہیں عصر حاضر میں ہی آڈیو کیسٹ کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلاب کا منظر دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر امت مسلمہ کے دل میں کار دعوت کی ادائیگی کا احساس اور شعور پیدا ہو جائے تو یہ تمام ذرائع ان کے لیے بڑے ہی مفید اور کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

فتنہ پرور لابیاں اپنا لٹریچر کس کثرت کے ساتھ شائع کر رہی ہیں اور میڈیا سے بھرپور

Marfat.com

استفادہ کرر ہے ہیں۔ یہاں تک کہ ٹی۔ وی کے بعض چینل تک خریدے جا رہے ہیں۔ گھر گھر اپنی فکر مسموم پھیلانے میں رات دن ایک کیے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر اپنا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آخر حق کے داعی کب خواب غفلت سے بیدار ہوں گے۔ وہ فطرت کی ان سہولتوں سے کب فائدہ اٹھائیں گے۔

کیا یہ تعجب اور افسوس کا مرحلہ نہیں کہ
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا
(اقبال)

مواقع دعوت کا شعور

پیاسا ہر جگہ پانی کی ہی تلاش کرتا ہے۔ اور فطرت کے قانون کے تحت کوشش کرنے والا پا بھی لیتا ہے۔ اگر داعی ہر موقع دعوت کا شعور کرے اور اسکی قدر کرے تو دعوت کے امکانات کا دائرہ بڑا ہی وسیع اور پھیلتا ہوا نظر آئے گا۔ ایک افسر اپنے ماتحت کو، ایک ٹیچر اپنی کلاس کو، ایک لیڈر اپنی قوم کو، بڑا چھوٹے کو، دوست دوست کو، ہمسایہ اپنے ہمسایہ کو اگر فریضہ دعوت بھرپور انداز سے پہنچانا شروع کردے تو حق کا نور پھیلتا ہی چلا جائے گا۔ اگر لوگوں کے اجتماع میں دعوت کی عظمت اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ بھی دعوت کے عظیم مواقع ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ میلوں میں جا کر اور حج کے اجتماع میں جا کر لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے تھے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ انہیں پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ اگر ایک آدمی بھی اسلام قبول کرلے تو یہ سرخ اونٹوں کے ملنے سے بہتر ہے۔ کسی بھی موقع پر دعوت سے انحراف کرنا داعی کے شایان شان نہیں ہے۔ پھول جہاں بھی ہو خوشبو دیتا ہے۔ داعی اگر ہر موقع پر داعی کی ہی شان سے جلوہ گر ہو تو کار دعوت اپنی آخری حدوں کو پہنچ سکتا ہے۔

اسلام کا فطرت کے عین مطابق ہونا اور دعوت کے یہ عظیم امکانات اس بات کا بین اور منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اسلام ہر اس گھر میں پہنچ کر رہے گا جہاں دن کی روشنی یا چاند کی چاندنی پہنچتی ہے۔

حق کے داعی یقین رکھیں کہ جیسے کوئی بھی بندہ صبح کے طلوع ہونے کو اور بارش کے برسنے کو نہیں روک سکتا۔ کیونکہ یہ منصوبہ خداوندی ہے ایسے ہی کوئی بھی اسلام کے پھیلنے کو اور حق کا بول بالا ہونے کو نہیں روک سکتا کیونکہ یہ بھی منصوبہ خداوندی ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (التوبہ:33)

''اسی نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے سارے دین پر غالب کر دے۔ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو''۔

دین تو پھیلے گا اور پھیل کر ہی رہے گا دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے دین کو پھیلانے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟

واقعات دعوت

اسلام ہر آدمی کی فطرت کی پکار ہے۔ یہ ہر آدمی کا اپنا مذہب ہے۔ اسلام کو پالینا اپنے آپ کو پالینے کا دوسرا نام ہے۔ اسلام کو اپنانا اپنی ہی شخصیت کی تکمیل ہے۔ اور اپنی شخصیت کی تکمیل کتنا خوش کن مرحلہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کی رکاوٹیں حائل نہ ہو جائیں۔ مدعو کے کانوں میں روئی ٹھونس کر اسے حق سننے سے دور کرنے کی سعی ناتمام نہ کی جائے۔ ضد اور انا پرستی کے سبب اسلام کی تصویر ہی بدل کر نہ رکھ دی جائے۔ تو ہر انسان اسلام کی پکار پر ایسے ہی دوڑتا ہے جیسے بچہ ماں کی طرف۔ کیونکہ اسلام اسکی فطرت کی پکار ہے اور اس کا اپنا مذہب ہے۔ اور اسلام کا انکار تو اپنا انکار ہے اور اپنا انکار کس قدر مشکل اور جان لیوا مرحلہ ہوتا ہے۔

یقین فرمائیں اگر تعصب راستے کی دیوار نہ بنے اور اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے پیش کر دی جائے تو لوگ ایسے ہی اسلام کی طرف دوڑیں گے جیسے پیاسا پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ کیونکہ قبولیت اسلام کی راہ میں حائل تو وہ گمراہ کن لٹریچر ہے جس میں اسلام کی تصویر مسخ کر کے اسے پیش کیا جاتا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان ہو اور اسلام کا انکار کرے۔

تاریخ سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں اسلام کی کشش کا ایک اظہار بھی ہے اور ایک داعی کے لیے مسرت کا سامان بھی۔

بارگاہِ نبوت ہے۔ حضور سید عالم ﷺ تکیہ لگائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں جلوہ فگن ہیں۔ ایک بدو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ مسجد نبوی کے دروازے کے قریب اس

Marfat.com

نے اونٹ بٹھایا اس کا گھٹنا عقال سے باندھ دیا۔ پھر لوگوں سے دریافت کیا ایکم بن عبدالمطلب۔ تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند کون ہے؟ لوگوں نے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا وہ جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ عرض کرنے لگا یا حضرت! میں آپ سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میرے سوال میں شدت ہوگی آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں اجازت ہے۔ ''جو چاہو پوچھو'' اس نے کہا آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ پھر اس نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور جس نے یہ فلک بوس پہاڑ نصب کیے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ان بتوں کی عبادت کا طوق گلے سے اتار کر پھینک دیں۔ جنہیں ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ ہم اغنیاء سے مال لے کر فقراء ومساکین میں تقسیم کردیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم ماہِ رمضان کے روزے رکھیں۔ آپ نے فرمایا یہ بھی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے اس نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں جو صاحب استطاعت ہو وہ فریضہ حج ادا کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں میرے رب نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے۔ اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات سننے کے بعد اسے یارائے ضبط نہ رہا وہ فوراً پکار اٹھا۔

امت وصدقت انا ضمام ابن ثعلبه

''میں سچے دل سے آپ پر ایمان لایا ہوں۔ اور آپکی تصدیق کرتا ہوں۔ میرا نام ضمام ہے میں ثعلبہ کا بیٹا ہوں''۔

Marfat.com

انہوں نے واپس جا کر اپنے قبیلے کو دعوت اسلام دی چند ہی دنوں میں ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم رقم الحدیث 62)

اگر تعصب یا مفادات نے فطرت سلیمہ کو مسخ نہ کر دیا ہو تو اسلام کا پیغام سن کر ہر انسان وہی پکارے جو ضمام بن ثعلبہ پکارے امنت و صدقت میں ایمان لے آیا اور میں نے تصدیق کی۔ ایک اور منظر ملاحظہ ہو۔

قبیلہ بنی دوس کے سردار طفیل بن عمرو فرماتے ہیں:

''میں کسی کام کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ جب اہل مکہ کو پتہ چلا کہ قبیلہ دوس کا رئیس ان کے شہر میں آیا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ بھی حضور ﷺ کی دل موہ لینے والی باتیں سن کر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دے اور کہیں اسلام قبول نہ کر لے۔ اس لیے انہوں نے میرا گھیراؤ کر لیا۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتے۔ اور مجھے حضور ﷺ سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے وہ مجھے کہتے کہ تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ آج اس شہر میں ایک ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے۔ جس نے یہاں کا امن وسکون غارت کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی کا بیٹے کو بیٹے کا اور بیوی کو خاوند کا باغی بنا دیا ہے وہ (نعوذ باللہ) بڑا ماہر جادوگر ہے پھونک مارتا ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت وحقارت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں آپ بھی اس کے جال میں پھنس نہ جائیں۔ اور آپ کا قبیلہ اس المیہ سے دوچار ہو جائے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ انکی مجلس میں بیٹھیں اور نہ ان سے گفتگو کریں اور نہ ان کی کوئی بات سنیں۔

طفیل کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات اتنی مرتبہ مجھے کہی کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں ایسے شخص سے کبھی ملاقات نہ کروں گا، نہ اس سے گفتگو کروں گا اور نہ اسکی مجلس میں بیٹھ کر اسکی باتیں سنوں گا۔ چنانچہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ غیر شعوری طور پر بھی اس کی آواز میرے کانوں تک نہ ٹکرائے۔ میں نے ان گلی کوچوں میں آمدورفت

Marfat.com

بھی بند کر دی جہاں حضور کی آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔

ایک روز صبح سویرے میں مسجد حرام میں گیا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ﷺ کعبہ کے سامنے نماز ادا کر رہا تھا۔ میں ان کے کچھ قریب کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی رسیلی آواز میرے کانوں میں پڑے اور میرے دل میں اتر جائے۔ چنانچہ میں نے حضور ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ قرآن کریم کے میٹھے بول سن کر میں حیران وششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا شروع کی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا:

" اے طفیل! تیری ماں تجھے روئے! بخدا تو دانا ہے اور اپنے ملک کا نغز گو شاعر ہے۔ تجھ پر کلام کا حسن اور اسکی قباحتیں ملتبس نہیں ہو سکتیں۔ میں کیوں اپنے آپ کو اسی ہستی کے کلام سننے سے باز رکھ رہا ہوں۔ مجھے ان کا کلام سننا چاہیے۔ اگر وہ کلام اچھا ہوا تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔ اور اگر قبیح ہوا تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ چنانچہ میں کچھ وقت حرم شریف میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ میں حضور کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے میں نے دستک دی اور حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا محمد ﷺ! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنائی ہیں۔ وہ مجھے اس بات سے ڈراتے رہے کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ ورنہ آپ کا جادو مجھ پر بھی اثر کر جائے گا اور میں کسی کام کا نہیں رہوں گا۔ اس خوف سے کہ آپکی آواز غیر شعوری طور پر میرے کان میں پڑے میں نے کانوں کے سوراخ روئی سے بند کر دیئے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں آپکے کلام معجز نظام کے سننے سے محروم رہوں۔ اس لیے آج صبح جب آپ نماز میں کلام الٰہی کی تلاوت کر رہے تھے تو مجھے اس کلام کے سننے کا موقع نصیب ہوا۔ میں اب حاضر خدمت ہوں مجھے اپنی دعوت کے بارے میں تفصیل سے بتایئے نبی رحمت ﷺ نے مجھے اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کی تلاوت فرمائی میں نے کہا بخدا! میں

Marfat.com

نے آج تک اس سے بہتر اور اس سے دلنشیں کلام کبھی نہیں سنا۔ میں اب اسلام قبول کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور آپ ﷺ اس کے سچے رسول ہیں'' (زادالمعارج:3 ص 627 بحوالہ ضیاء النبی ج 4 ص 701)

یقین فرمایئے! اسلام میں وہی کشش اور دلربائی آج بھی ہے جو دور اول میں تھی لیکن چونکہ باہمی اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کو تو عالم کفر پر دعوت پیش کرنے کا موقع ہی بہت کم ملا ہے اس لیے یا تو وہ لوگ اسلام کے تعارف سے ہی محروم رہے یا مستشرقین نے جس متعصّبانہ انداز میں اسلام کا تعارف کروایا۔ وہ وہ روئی ہی ہے جو لوگوں نے کان میں ٹھونس لی ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو سن نہ لیں۔ حق کے داعی اگر اسلام کو ان کے سامنے پیش کرنے کا فریضہ سرانجام دیں تو کیسے ناممکن ہے کہ لوگ دوڑے ہوئے اسلام کی طرف نہ لپکیں۔ کبھی بچہ ماں سے دور بھی رہا ہے؟ کبھی پیاسا پانی سے نفرت بھی کرتا ہے؟ دیکھئے! صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ فریقین میں دس سال کے لیے جنگ نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان جنگ اور ٹکراؤ کا ماحول ختم ہوگیا اور اس کی جگہ ایک پرسکون ماحول قائم ہوگیا۔ ایسے حالات اسلامی دعوت کے لیے ہمیشہ انتہائی مددگار ثابت ہوتے ہیں جیسے ہی ٹکراؤ کا ماحول ختم ہوا۔ لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے اس کے ساتھ ہی دعوت کا بند عمل بھی دوبارہ شروع ہوگیا۔ ابن شہاب الزہری فرماتے ہیں ''اسلام میں سب سے بڑی فتح حدیبیہ تھی۔ جسے قرآن مجید میں فتح مبین سے تعبیر کیا گیا۔ اس سے پہلے لوگ صرف جنگی حالات سے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اب لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ مومن اور غیر مومن معتدل حالات میں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ اسلام پر گفتگو ہونے لگی۔ جب بھی کوئی شخص اسلام پر بات کرتا وہ اسے سمجھ لیتا۔ اسلام اس کے دل میں اتر جاتا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ اس طرح دو سال کے عرصہ میں اتنے زیادہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جو اس سے پہلے پوری مدت میں نہیں ہوئے تھے۔

(سیرۃ ابن کثیر، ج 3، ص 324)

مسئلہ اسلام کے قبول کرنے کا نہیں اسلام کے پیش کرنے کا ہے اگر اسلام کی دعوت اس کے اصلی رنگ میں دی جائے تو۔

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے

اسید بن حضیر مدینہ کے ایک سردار تھے۔ جب انہیں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی دعوتی سرگرمیوں کا علم ہوا تو طیش میں آ گئے۔ تلوار سونت لی اور اس مجلس میں پہنچے یہاں قرآن حکیم سنایا جا رہا تھا۔ کہنے لگے آپ لوگ ہمارے شہر میں اس لیے آئے ہو کہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو گمراہ کرو۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بڑے متحمل انداز میں انکی باتیں سنیں اور بڑے باوقار انداز میں فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں۔ ہماری گفتگو سنیں۔ پھر آپ جو بھی فرمائیں اس کی تعمیل ہو گی۔ اسید کہنے لگے تم نے انصاف کی بات کہی ہے پھر وہاں بیٹھ گئے۔ حضرت معصب بن عمیر نے انہیں قرآن کریم کا ایک حصہ سنایا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے پھر کہنے لگے:

مااحسن ھذا الکلام واجملہ

”یہ کلام کتنا خوبصورت اور دلنشیں ہے!“

پھر انہوں نے حضرت معصب سے پوچھا۔ دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا غسل کریں۔ صاف کپڑے پہنیں اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ اسی طرح وہ مشرف باسلام ہو گئے۔

وہ واپس تشریف لے گئے انہوں نے دوسرے سردار حضرت سعد بن معاذ کو بھیج دیا ان کے ساتھ بھی بعینہ یہی معاملہ پیش آیا اور وہ بھی دائرہ سلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام کی فطری دعوت اسی طرح پھیلتی گئی یہاں تک کہ بقول ابن ہشام

فلم تبق دار من دور الانصار الا اسلم اھلھا (ایضاً، ج2 ص118)

”انصار کے گھروں میں سے ہر گھر میں اسلام کا نور پھیل گیا“۔

اسلام کی یہ حیرت انگیز تاثیر اور اس کی فطرت انسانی سے مطابقت آج بھی پورے

Marfat.com

طمطراق سے اس میں موجود ہے صرف دنیا کو اس کا تعارف کروانا باقی ہے۔

ایک امریکی خاتون روسنا توری جنہوں سے اسلام قبول کیا ہے اور اب وہ مکمل اسلامی طرز پر زندگی بسر کر رہی ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں کیلی فورنیا کے ایک کیتھولک خاندان میں پیدا ہوئی۔ میں اپنے خاندان کے ہمراہ بچپن سے ہی چرچ جاتی۔ میں لوگوں کو مسیح کے اسٹچو کے آگے جھکتا دیکھتی مگر اس سے میرے دل کی تسلی نہ ہوتی۔ لیکن مجھے اس چیز کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ اسٹیچو کے اندر خدا موجود ہے۔ اس وجہ سے میری اپنے خاندان سے اکثر ایک کشمکش جاری رہتی تو میں نے متعدد دیگر مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا اس دوران ابوظہبی سے ایک مسلم خاتوں علاج کے لئے لاس اینجلز آئی۔ ان سے میری ملاقات ہوئی۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو انہوں نے مجھے بھی واپسی کی دعوت دی کہ میں بھی کچھ دن ان کے ساتھ ابوظہبی چلوں اس طرح میں ابوظہبی پہنچ گئی۔ وہاں ایک روز ایک عجیب آواز میرے کان میں گونجی۔ میرے پوچھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ "اذان" ہے مؤذن پکار رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اسی آواز نے اس خاتون کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ چرچ میں انہوں نے خدا کو ایک اسٹیچو کے اندر محدود دیکھا تھا۔ گویا چرچ کی پکار یہ تھی کہ خدا چھوٹا ہے جبکہ اسلام پکار تھا اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہ بات مجھے اللہ کی عظمت کے عین مطابق نظر آئی۔ چرچ کی تو سال ہا سال کی عبادت انہیں متاثر نہ کر سکی۔ مگر مسجد کا فطرتی پیغام ان کے سینے میں اتر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز

عیسائی تنظیموں نے اعلیٰ تربیت کے ذریعے 6453 مبلغین تیار کر کے افریقی ملک لیبیریا کے دارالحکومت منروویا بھیجے ان کا مشن یہ تھا کہ وہ خاموش تبلیغ کے ذریعے لیبیریا کے دس لاکھ مسلمانوں کو مسیحی مذہب میں داخل کریں۔

یہ مسیحی مبلغین تمام علمی اور مادی ذرائع سے پوری طرح مسلح تھے ان کو اتنا زیادہ کیا گیا

تھا کہ وہ لیبیری قبائل کی مقامی زبانیں بانیکا، مانکا، منیسکا، کیسکا اور بلیسکا نہایت روانی سے بولتے تھے۔

ان تمام تیاریوں کے باوجود نتیجہ الٹ نکلا۔ ان مسیحی مبلغین کی اکثر تعداد نے وہاں پہنچ کر اسلام قبول کرلیا۔ جس ملک میں وہ مسیحیت کی تبلیغ کرنے بھیجے گئے تھے۔ وہاں اب وہ اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تربیت کے دوران انہیں مختلف مذاہب کا مطالعہ کروایا گیا تھا۔ مگر اس نظام کے تحت انہیں اسلام کی صرف مسخ شدہ تعلیمات ہی سے واقف کروایا گیا۔ لیبیریا میں جب ان کا واسطہ مسلمانوں سے ہوا تو انہیں موقع ملا کہ وہ اسلام کو زیادہ صحیح صورت میں جان سکیں اس واقفیت کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ اور ان کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا۔ جو لوگ مسیحی مبلغ بن کے آئے تھے وہ اسلام کے مبلغ اور اس کے علمبردار بن گئے (العالم الاسلامی، ربیع الثانی 1401ھ بحوالہ دعوت حق ص 84)

فرانس کے ایک مشہور آرٹسٹ نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کا سابق نام برنارڈ جو تھا۔ اور موجودہ اسلامی نام عبدالعزیز رکھا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے اپنے فن سے عشق تھا۔ اور اس کے لیے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں کثرت سے سفر کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مصر گیا۔ اور قاہرہ اور اسکندریہ میں چند روز قیام کیا۔

ایک روز جب میں قاہرہ کی سڑکوں پر چل رہا تھا۔ میرے کان میں ایک پرکشش آواز آئی۔ یہ اذان کی آواز تھی جو مسجد کے میناروں سے بلند ہو رہی تھی۔ اس قسم کی آواز میں نے پہلی بار سنی تھی۔ مجھے مزید جستجو ہوئی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ نماز کی پکار ہے۔ اذان کی آواز اور نماز کے مناظر نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ میں فرانس آیا تو میں نے اسلامی لٹریچر تلاش کر کے اسلام کا مطالعہ شروع کردیا۔ میں نے قرآن کی تلاوت کے کیسٹ بھی سنے ان عربی کیسٹوں کو اگرچہ میں سمجھتا نہ تھا۔ مگر اس کا سننا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس لیے میں ان کو سنتا رہا۔

پھر میں دوبارہ مصر گیا۔ وہاں میں نے الازہر کے علماء کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔

Marfat.com

اب میں محسوس کرتا ہوں کہ سابق ''برنارڈ جو'' اور موجودہ عبدالعزیز میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اسلامی عقیدے نے میرے طریقے کو بدل دیا ہے۔ تاریکی کے بعد اب میں روشنی میں آ گیا ہوں مجھے اپنے اندر ایک ایسا سکون محسوس ہو رہا ہے۔ جس سے میں اس سے پہلے کبھی آشنا نہ تھا۔ اسلام میری روح اور میرے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہے۔

(الدعوہ جمادی الاولی 1401ھ بحوالہ دعوت حق ص 102)

امریکہ کے مسٹر مفر جن کا اسلامی نام سلیمان شاہد مفر ہے ایک بڑے پر جوش پادری تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے کہا'' حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے ہر باشندے کو اسلام کی صحیح صورت دکھانے کی ضرورت ہے۔ آج تک مغرب میں اسلام کو اسکی حقیقی شکل میں نہیں دکھایا گیا۔ یہاں لوگ عیسائیت اور یہودیت جیسے بے جان مذاہب سے لپٹائے بیٹھے ہیں۔ مگر انہیں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام کی دعوت حکمت اور جرأت سے دی جائے تب یہ امر یقینی ہے کہ مغرب کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے''۔

انگلستان کے ایچ۔ ایف فیلوز کہتے ہیں'' اسلام ایک مرتبہ پھر بیدار ہو رہا ہے یہ چیز ثابت ہوتی جا رہی ہے کہ صرف اسلام ہی عہد حاضر کے تقاضوں کو ساتھ لیکر انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ باقی سارے مذاہب اور نظریئے اپنی حیثیت کھو چکے ہیں''۔

انگلستان کے ڈاکٹر شیلڈرک جن کا اسلامی نام خالد شیلڈرک ہے۔ انہوں نے 17 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مصنفین بے جا اور بے ضرورت اسلام کی تذلیل کے درپے ہیں۔ اس پر انہیں خیال آیا کہ وہ اسلام سے اس قدر خائف کیوں ہیں؟ اس کا سبب جاننے کے لیے انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے مل کر اسلام کے خلاف سازش کر رکھی ہے چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا:

'' آج کون انسان ہوگا جو بدھ مت کا بھکشو بن کر در بدر بھیک مانگتا پھرے یا یسوع کی

Marfat.com

تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں اسکی خبر دیتا۔ تو میں تم میں اس سے پہلے (اپنی) عمر (کا ایک حصہ) گذار چکا ہوں۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے؟ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھ کو بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے بے شک جرم کرنے والے فلاح نہیں پاتے"۔ (ترجمہ از البیان)

دعوت ایک عمل پیہم

کوئی بھی کام جس میں دوام اور تسلسل نہ ہو۔ کبھی جاندار نتائج نہیں دے سکتا۔ استقلال اور تسلسل ہی کامیابی کا راز ہے۔ اگر پانی کا ایک ایک قطرہ بھی کسی سل پر متصل گرتا ہے تو وہ پتھر کے سینہ میں شگاف ڈال دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان رسول اللہ ﷺ سئل ای العمل احب الی اللہ تعالیٰ قال ادومه وان قل

(صحیح مسلم، باب فضیلۃ العمل الدائم، رقم الحدیث:1725)

"کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ نے فرمایا جس پر زیادہ دوام کیا جائے اگرچہ وہ عمل کم ہی ہو"۔

تو دعوت کا کام بھی تسلسل سے ہونا چاہیے عمل پیہم اور جہد مسلسل ہی کامیابی کا راز ہے۔ اگر داعی حق ذرا ذرا سی بات پر شکستہ دل ہو کر بیٹھ جائے۔ یا کار دعوت میں سستی اور کاہلی کو داخل کر دے۔ کبھی دعوت میں مشغول ہوا اور کبھی آرام سے بیٹھ گیا تو ذرا سوچیے تو سہی کہ مطلوبہ نتائج کا حصول کیسے ممکن ہوگا؟

مشکلات کو برداشت کرنا

دنیا کا کون سا ایسا کام ہے جو بغیر مشکلات و مصائب کا سامنا کیے سرانجام دیا جا سکتا ہے؟ یہ قانون باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ (الانشراح:6-5)

''پس مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

کچھ پانے کے لیے کچھ نہ کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔ زندگی اور اس میں پائے جانے والے دکھوں کے متعلق غالب نے کتنی گہری بات کہی ہے:

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر حال میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اور غالب کا ہی ایک دوسرا شعر ہے:

غم اگرچہ جانگسل ہے پر کہاں جئیں کے دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روز گار ہوتا

زندگی اور غم تو لازم وملزوم ہیں بادشاہ کے اپنے غم ہیں اور فقیر کے اپنے۔

فقیر شہر تو فاقے سے مر گیا لیکن
امیر شہر نے ہیرے سے خود کشی کر لی

ایسا تو قطعاً نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے میں انسان کو پریشانیوں سے واسطہ پڑتا ہے اور راہِ عبادت سے منہ موڑ کے غم ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر حرام کی کمائی سے دامن بچانے والا کبھی مالی مشکلات کا شکار ہو بھی جاتا ہے تو حرام کی کمائی سے لاکھوں کمانے والا کب اطمینان کی نیند سوتا ہے۔ آخرت تو ابھی پردہ غیب میں ہے اسی دنیا میں ان کی پریشانیاں اور دکھ شمار سے باہر ہوتے ہیں۔

جب زندگی اور غم لازم وملزوم ہیں تو وہ بندہ کتنا خوش قسمت ہے جو بندگی الٰہی کی راہوں کی مشکلات کو منتخب کر لیتا ہے داعی کو بھی بڑی بڑی مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے کبھی طعن و تشنیع کے تیر کبھی بدنی مشقتیں اور کبھی مالی نقصان۔ لیکن داعی کو چاہیے کہ ان تمام مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے راہ دعوت میں دلوں کو توڑ دینے والی باتیں سننا، مجنون اور دیوانہ کہلانا، اپنوں کو بیگانہ بنانا، پھولوں کی سیج چھوڑ کر خاردار کانٹوں پر چلنا اور کبھی پردیس

Marfat.com

میں پتھر کھا کر لہولہان ہونا یہ تو سنت ہے تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی، داعی تو قسمت کا دھنی ہے کہ وہ ان مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے سنت کی حسین راہوں پر گامزن ہے۔ انہیں مشکلات پر صبر تو داعی کو نگاہ الٰہی میں محبوب سے محبوب تر بنا دیتا ہے۔ بقول اقبال

تو بچا بچا کہ نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

ما من مسلم يصيبه اذى، شوكة فما فوقها الا كفر الله بها سياته وحطت عنه ذنوبه كما تحط الشجرة ورقها متفق عليه (ریاض الصالحین، رقم الحدیث:38)

''مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچے۔ اسے کانٹا چبھے یا اس سے بھی کم کوئی مصیبت پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے''۔

تو داعی کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ میں تو خوش قسمت ہوں کہ راہ دعوت کی مشکلات کو برداشت کر رہا ہوں جب عام مصیبت پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ اتنا اجر دیتا ہے تو اس کی بات اس کے بندوں تک پہنچانے میں مشکلیں برداشت کرنے پر میرا رب مجھ سے کتنا راضی ہوگا!

یہی وجہ ہے کہ انتہائی سنگین حالات میں بھی داعی اپنے دکھوں کو فراموش کر کے مدعو کی بہتری ہی چاہتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كانى انظرالى رسول الله ﷺ يحكى نبيا من الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم ضربه قومه فادموه وهو

يمسح الدم عن وجهه يقول اللهم اغفر لقومي فانهم لايعلمون۔ (ایضاً، رقم الحدیث۔36)

''گویا میں نبی کریم ﷺ کو سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی بات بیان فرماتے ہوئے اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ انہیں ان کی قوم نے لہولہان کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور عرض کر رہے تھے: میرے رب! میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتے''۔

اس موقع پر داعی اعظم ﷺ کا میدان احد میں زخمی ہونے پر یہی دعا مانگنا اور طائف میں پتھر کھا کر بھی بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کرنا کہ ''مولا ان لوگوں کو تباہ نہ کر شاید ان کی آنے والی نسلیں ہی مسلمان ہو جائیں''۔

ایک داعی کے لیے اپنے اندر صبر و استقامت کا بے پناہ سامان رکھتا ہے۔

مداہنت سے پرہیز

مومن کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں کوئی نرمی نہیں دکھاتا اور کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ قران کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا ایک یہ پہلو بھی اجاگر کیا گیا:

أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)

''وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں''۔

اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ دین کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اور دین کے مقابلہ میں جو بھی آ جائے وہ دین پر کسی تعلق اور رشتہ داری کو ترجیح نہیں دیتے جب غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور سید عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''میری رائے یہ ہے کہ آپ مجھے میرے فلاں عزیز کو سپرد کر دیں۔ تاکہ میں خود اسکی گردن اڑا دوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی عقیل کو دیا جائے کہ وہ ان کی گردن

Marfat.com

اڑادیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی عباس کو دیا جائے کہ وہ اسکی گردن اڑادیں اور حضرت کے جو قریبی عزیز ہیں ان کی گردنیں حضرت خود اڑادیں"۔

(محمد رسول اللہ ﷺ، ص:337)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

داعی کو دین کے معاملہ میں کسی مداہنت اور سمجھوتے کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا منصب دین کو پہنچانا ہے نہ کہ دین کو بنانا۔ اسے بغیر کسی لچک کے پورے اور پورے دین کو پہنچادینا ہے بنی اسرائیل کی تباہی کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی کہ انہوں نے دین میں مداہنت شروع کردی تھی اور وہ ظالموں کے ساتھ گھل مل جانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جو پہلی خرابی پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی سے ملتا جو کسی برائی میں مشغول ہوتا۔ وہ اسے کہتا" اللہ سے ڈر جو کر رہا ہے اسے چھوڑ دے یہ تیرے لیے حلال نہیں ہے پھر وہ دوسرے دن اسے ملتا اور اسے اسی برائی میں مشغول پاتا تو وہ اسے منع نہ کرتا۔ تو وہ اسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا شروع کردیتا۔ جب ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سب کے دل ایک جیسے کردیئے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ...... الی قولہ ...... فٰسِقُوْنَ ۝

(المائدہ:78 تا 81)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی"۔

یہاں تک کہ آپ نے فاسقون تک تلاوت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم

Marfat.com

ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے اور ظالم کا ہاتھ پکڑو گے اور ظالم کو حق کے آگے جھکاؤ گے۔ (الترغیب والترہیب، رقم الحدیث:3413)

کا ردعوت بنی اسرائیل کی اس برائی سے مکمل اجتناب کا مطالبہ کرتا ہے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول
(اقبال)

دعوت اور قوت عمل

دعوت اس وقت تک اثر انگیز اور پرتاثیر نہیں ہوسکتی ۔ جب تک داعی خود اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو۔ بے عمل کی دعوت صرف ایک رسم اور فارمیلٹی تو ہوسکتی ہے دلوں میں اثر پیدا کرنے کی منزل سے کوسوں دور رہتی ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء سے کہا گیا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرہ:44)

"تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟"

اہل ایمان سے فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف:2-3)

"اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں"۔

داعی کا بے عمل ہونا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ قیامت کے دن ایک بندے کو لایا جائے گا اور اسے آگ میں پھینک

Marfat.com

دیا جائے گا۔(اس کا پیٹ پھٹے گا اور اس کے پیٹ سے انتڑیاں نکل کر باہر جا پڑیں گی۔وہ اپنی انتڑیوں کے گرد ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔

اہل دوزخ اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے اے فلاں! تجھے کیا ہو گیا۔کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیا کرتا تھا اور برائی سے منع نہیں کیا کرتا تھا۔وہ کہے گا کیوں نہیں۔میں نکی کا حکم تو دیا کرتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کیا کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکا کرتا تھا لیکن خود برائی کا مرتکب ہوا کرتا تھا"۔(الترغیب والترہیب،رقم الحدیث:3429)

اور معراج کی رات حضور سید عالم ﷺ نے بے عمل خطباء کے ہونٹ قینچیوں سے کٹتے ہوئے دیکھے تھے۔

ایک داعی اور مبلغ کو یہ روایت بھی ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ان ناسا من اهل الجنة ينطلقون الى اناس من اهل النار فيقولون بم دخلتم النار۔ فوالله ما دخلنا الجنة الابما تعلمنا منكم فيقولون كنا نقول ولا نعفل

(ایضاً،رقم الحدیث3432)

"اہل جنت میں سے کچھ لوگ اہل دوزخ میں سے کچھ لوگوں کے پاس جائیں گے۔وہ ان سے کہیں گے تم دوزخ میں کیوں داخل ہو گئے خدا کی قسم ہم تو تم سے سیکھ کر جنت میں داخل ہوئے ہیں۔وہ کہیں گے ہم کہتے تو تھے لیکن کرتے نہیں تھے"۔

دعوت تنظیمی شکل میں

ایک ایک اور دو گیارہ ہوتے ہیں اگر انفرادی دعوت دی جائے تو اس کی عظمت کا انکار تو ممکن نہیں لیکن اس کے نتائج اتنے جامع اور دور رس نہیں ہوتے جو داعی حق کو مطلوب ہوتے ہیں اگر دعوت منظم اور جماعتی روپ میں دی جائے تو اس کے اثرات زود اثر اور

Marfat.com

دوررس ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی اہل ایمان سے ارشاد فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران:104)

''اور ضرور ہے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی کی طرف بلائے بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔

جب دعوت تنظیم اور جماعت کی شکل میں ہوگی تو سب سے پہلے تو کسی ایک کو اپنا امیر اور قائد منتخب کرنا ہوگا حضور سید عالم ﷺ کو تو تنظیم اتنی محبوب تھی کہ آپ تو فرماتے تھے کہ اگر تین آدمی بھی کسی جنگل میں رہتے ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ کسی ایک کو اپنا امیر منتخب کریں۔

ظاہر ہے یہ انتخاب باہمی مشورہ سے ہی ہوگا اور اسلام میں انتخاب امیر کی جو شرائط مقصود ہیں ممکنہ حد تک ان کا لحاظ رکھا جائے گا۔ انتخاب امیر کے بعد ہر ایک پر امیر کی اطاعت لازم ہوگی اور امیر کی بات کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ گناہ اور سرکشی کا حکم نہ دے۔

حضرت جنادہ بن ابی امیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبادہ بن صامت کے پاس اس وقت گئے جب وہ بیمار تھے۔ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے ہمیں کوئی ایسی حدیث سنایئے جسے آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے نفع دے حضرت عبادہ بن صامت فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا ہم نے آپ سے بیعت کی آپ نے ہم سے جن چیزوں پر بیعت لی تھی وہ یہ تھیں۔

على السمع والطاعة فى منشطنا و مكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله قال الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان

(صحیح مسلم کتاب الامار، رقم الحدیث:4653)

''کہ ہم خوشی اور ناخوشی میں، مشکل اور آسانی میں اور ہم پر ترجیح دیئے جانے

Marfat.com

کی صورت میں بھی امیر کی بات سنیں گے اور اسکی اطاعت کریں گے۔ ہاں اگر تمہیں اس میں کھلم کھلا گناہ نظر آئے جس کے گناہ ہونے پر تمہارے پاس کتاب وسنت سے کوئی واضح دلیل ہو (تو امیر کی اطاعت نہ کرو)''۔

تنظیمی ساتھی انتہائی قابل احترام ہوتے ہیں کیونکہ وہ آپکے مشن کی تکمیل میں آپکے مددگار ہوتے ہیں اور رضائے حبیب کے طالب ہوتے ہیں۔ تنظیمی ساتھیوں کو ایک دوسرے کو خیر اور بھلائی کی نصیحت کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اہل ایمان کا یہی شیوہ ہے کہ

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ (العصر:3)

''وہ ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کرتے رہتے ہیں''۔

اگر کبھی کسی ساتھی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو حتی المقدور اس کا کوئی مثبت حل نکال لینا چاہیے۔ کیونکہ

فعش واحدا او صل اخاک فانہ
مقارف ذنب مرۃ ومجانب

''تنہا زندگی گذار یا اپنے بھائی کے ساتھ تعلقات قائم رکھ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کبھی گناہ کرے گا اور کبھی اس سے دامن کشاں رہے گا''۔

حضور سید عالم ﷺ نے تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کا راز فاش کرنے کی کوشش پر بھی معاف کر دیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ حاطب کو کچھ نہ کہو یہ وہ ہے جس نے بدر میں ہمارے ساتھ شرکت کی تھی اوکما قال اگرچہ اہل خانہ کی محبت میں ان سے یہ لغزش تو ہو گئی تھی۔ لیکن ان کا دل اسلام اور اہل اسلام کے لیے سو فیصد مخلص تھا۔ تو اگر کبھی کسی مخلص ساتھی سے خطا سرزد ہو بھی جائے تو اس کا فیصلہ اس اسوہ نبوی کی روشنی میں کرنا چاہیے اور امیر کے لیے یہ مرحلہ بہت ہی احتیاط کا ہوتا ہے۔

جماعت کے استحکام کو صرف جماعت کا استحکام نہیں بلکہ دین کا استحکام سمجھنا چاہیے۔ اس لیے ہر داعی مقدور بھر کوشش کرے کہ اس کے کسی قول یا فعل سے جماعتی استحکام مجروح

Marfat.com

نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (النور:62)

''مومن صرف وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول کو دل سے مانتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو ان سے اجازت لیے بغیر نہ جائیں۔ جو لوگ آپ سے اجازت مانگیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والے ہیں''۔

اگرچہ یہ آیت غزوہ خندق کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی بھی اجتماعی کام میں امیر سے اجازت لیکر جانا ضروری ہے۔ ورنہ جماعت کا نظم منتشر ہو جائے گا اور دعوت کے کام کو دھچکا لگے گا۔

جماعت کے معاملات کو باہمی مشورہ سے سرانجام دینا چاہیے۔ آمریت اور ڈکٹیٹر شپ جماعتی استحکام کے لیے سم قاتل ہے اور اہل ایمان کی یہ نشانی بتائی گئی:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ:38)

''اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں''۔

اور خود نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا۔

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (النساء:159)

''اور معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے۔

تو امیر کو اس بات کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ اگر داعی ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھے تو ظن غالب یہ ہے کہ اللہ کی رحمتیں اس کے شامل حال ہو جائیں گی۔ اللہ کے بندے اللہ کی طرف مائل ہوتے جائیں گے اور اسلام کا نور پھیلے گا اور پھیلتا ہی چلا جائے گا۔

Marfat.com

اس قدر ہو گی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
شبنم افشانی میری پیدا کرے گی سوز و ساز
اور چمن کی ہر کلی درد آشنا ہوجائے گی
(اقبال)

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنا به اللھم ارنا الاشیاء کما ھی وصلی اللہ علی رسوله المعظم ونبیه المکرم سیدنا و مولانا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین آمین

عبدہ المسکین
حبیب اللہ چشتی

Marfat.com

حضورِ ضیاء الامت
رحمۃ اللہ علیہ
پیر محمد کرم شاہ الازہری کی
یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن
۵ جلد
فہمِ قرآن کا بہترین ذریعہ
اہلِ دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمۃ القرآن جمال القرآن

ضیاء النبی
سیرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب
۷ جلد
درد و سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

سُنّت خیر الانام
فتنۂ انکارِ سنت پر تحقیقی اور تنقیدی کتاب

مقالات
مختلف علمی، روحانی اور معاشی موضوعات پر جامع مقالات کا مجموعہ

قصیدہ اطیب النغم
خوبصورت نعتیہ قصیدہ کی پُرسوز اور دلآویز شرح

مجموعہ وظائف مع دلائل الخیرات شریف
مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ اور دیگر سلاسل کے معمولات اور اوراد و وظائف کا مجموعہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
- گنج بخش روڈ، لاہور 7221953-7220479
  فیکس 7238010
- ۹۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور 7225085-7247350
- ۱۴۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی 2210212-2212011
  2630411

1Z409

Marfat.com